رجب، شعبان | علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ | مارچ 2021

ماہ نامہ

ذوق شوق

کراچی

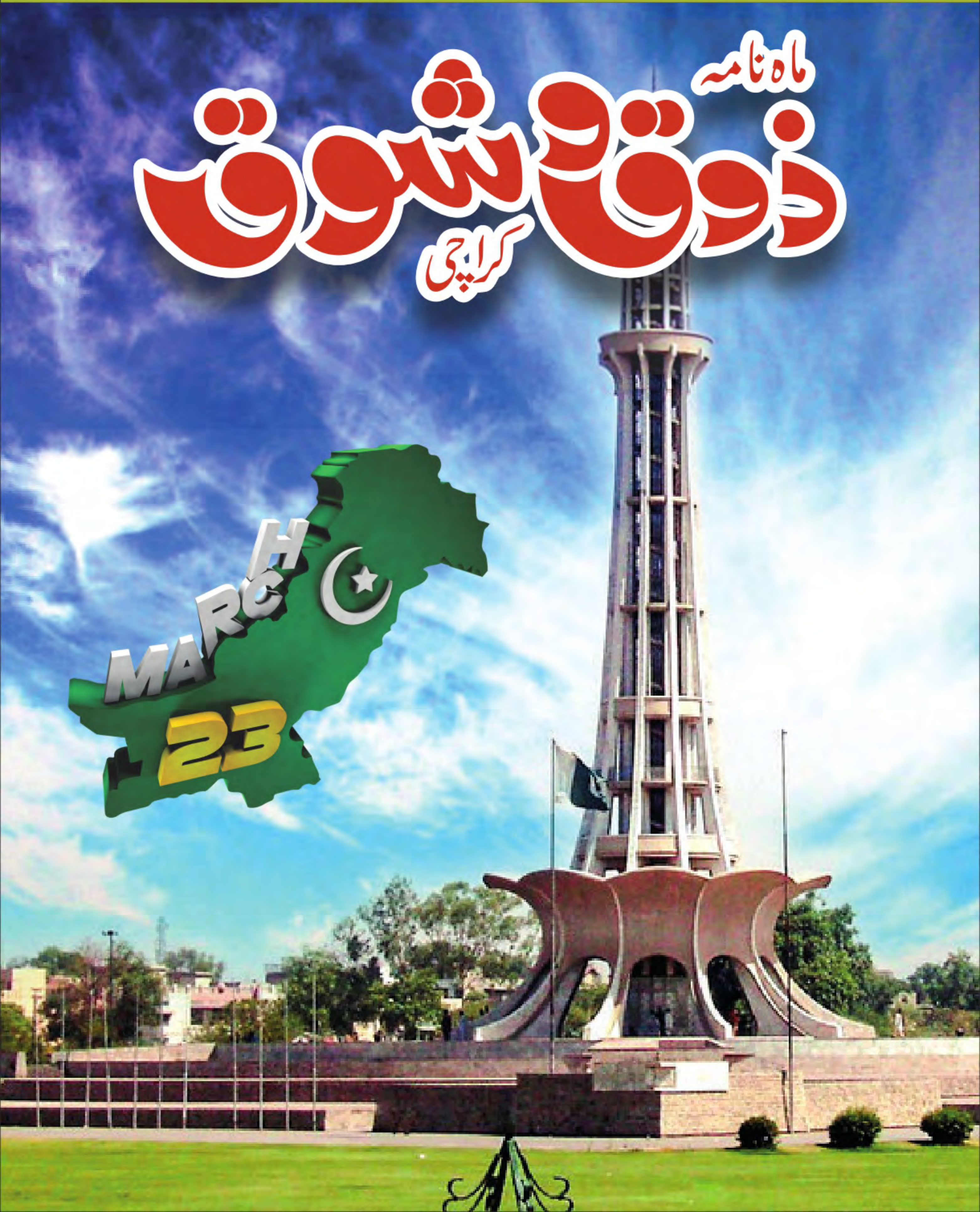

J.
FRAGRANCES
POUR FEMME
An elusive fragrance, J. Pour Femme reflects the persona and charisma of a woman who is determined and self reliant. It is the best pick of this summer, for those who value their uniqueness and individuality.
J.
POUR FEMME
EAU DE PARFUM
100 ML 3.4FL OZ
Available on the App Store
GET IT ON Google Play
Shop online at www.junaidjamshed.com
J.Fragrances
J.JunaidJamshed
FragrancesJ
J.Fragrances

YoungsFood
Young's
Success Ka Secret
Maa Ke Haath Ka Pyaar Aur...
Young's
Chicken Spread
يونغز دجاج قابلة للدهن
Power of 5
Real Chicken Chunks
200ml
٢٠٠ مل
Young's
Chicken Spread
Bar-B-Que
يونغز دجاج قابلة للدهن
باربي كيو
ALSO AVAILABLE IN BBQ FLAVOUR
Full Nutrition, Complete Meal!

Shangrila
THE FOOD EXPERTS!
IMLI GINGER SAUCE
BAR-B-Q SAUCE
GREEN CHILLI SAUCE
GARLIC CHILLI SAUCE
SHANGRILA KETCHUP AND SAUCES
TASTY!
DELICIOUS!
KHAANON KAY MUST HAVES!
Shangrila
TOMATO KETCHUP
SMART PACK
Tantalize your taste buds
Shangrila
TOMATO KETCHUP
600g
Tantalize your taste buds
www.shangrila.com.pk
shangrilaPakistan
ShangrilaPakistan

پیغامِ الٰہی جلّ جلالہٗ

عبدالعزیز

(مفہوم آیات: ۸۲، ۸۳ از سورۂ بقرہ)

''اور (اے موجودہ یہودیو! وہ زمانہ یاد کرو) جب ہم نے (توریت میں) بنی اسرائیل (یعنی تمھارے آباء واجداد) سے اقرار لیا کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے (کسی کی) عبادت مت کرنا اور (اپنے) ماں باپ، کنبے والوں اور بن باپ کے بچوں اور غریب محتاجوں سے نیک سلوک کرنا اور عام لوگوں سے (جب کوئی) بات (کہنی ہو تو) اچھی طرح (خوش خلقی سے) کہنا اور نماز کی پابندی رکھنا اور زکوٰۃ ادا کرتے رہنا۔ (لیکن) پھر سوائے چند لوگوں کے تم (قول وقرار کرکے) اس سے پھر گئے اور تمھاری تو عادت ہے اقرار کرکے (اس سے) پھر جانا۔''

عزیز دوستو! اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لوگوں سے آٹھ چیزوں کے بارے میں عہد لینے کا ذکر کیا ہے: ۱۔صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا۔ ۲۔والدین۔ ۳۔رشتے داروں۔ ۴۔یتیموں (بن باپ کے بچوں)۔ ۵۔مسکینوں (غریب محتاجوں) سے اچھا سلوک کرنا۔ ۶۔تمام انسانوں کے ساتھ گفتگو میں نرمی اور خوش اخلاقی سے پیش آنا۔ ۷۔نماز ادا کرنا اور۔ ۸۔زکوٰۃ دیتے رہنا۔ اس سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

۱۔ یہ آٹھ چیزیں پچھلی امتوں اور امتِ محمدیہ ﷺ، سب میں اہم ہیں۔

۲۔ عام لوگوں سے، چاہے وہ مسلمان ہوں یا کافر، نیک ہوں یا گناہ گار، گفتگو اور بات چیت نرمی، خوش اخلاقی اور کشادہ دلی سے کرنی چاہیے۔

۳۔ تعلیم وتبلیغ کرتے وقت بھی سختی سے بات کرنا درست نہیں۔

حضرت طلحہ بن عمر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے تفسیر اور حدیث کے امام حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے کہا:

''آپ کے پاس غلط عقیدے رکھنے والے لوگ بھی جمع رہتے ہیں، جب کہ میرے پاس ایسے لوگ آتے ہیں تو میں انھیں سخت باتیں کہہ دیتا ہوں۔''

حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً فرمایا:

''ایسا مت کیا کیجیے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ لوگوں سے نرمی اور خوش اخلاقی سے بات کرو، اس حکم میں جب یہودی اور عیسائی بھی داخل ہیں تو مسلمان چاہے کیسا ہی ہو، وہ کیوں شامل نہ ہوگا۔''

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان راہ نما اصولوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

پیغامِ نبوی ﷺ

راشد علی نواب شاہی

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میں ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا۔''

(سنن ابی داؤد. الاطعمة. باب فی الاکل متکئًا)

عزیز ساتھیو! اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا کیا۔ اس میں انسان جانور، چرند، پرند رہتے ہیں۔

انسان زندہ رہنے کے لیے کھاتے بھی ہیں اور پیتے بھی ہیں، اسی طرح جانور، چرند اور پرند ہیں، وہ بھی کھاتے ہیں اور پانی پیتے ہیں۔ مثلاً

گھوڑا، گدھا، خچر، اونٹ، چڑیا، فاختہ، توتا، یہ جانور اور پرندے بھی کھانا کھاتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو عقل دی ہے اور اُنھیں اشرف المخلوقات بنایا ہے، اسی لیے انسانوں اور جانوروں کے کھانے پینے میں بھی فرق ہے۔

انسان کھانے کے آداب کا خیال رکھ کر کھاتا ہے، جب کہ جانوروں کے لیے کوئی ادب نہیں۔

کھانے کے آداب میں سے ایک ادب اس حدیث پاک میں سکھایا گیا ہے کہ ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھانا چاہیے، اس لیے کہ آپ ﷺ بھی ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتے تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہم کھانے کے محتاج ہیں۔ کھانے کو عاجزی کے ساتھ کھانا چاہیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

البتہ اگر کوئی بہت بیمار ہے۔ ٹیک لگائے بغیر نہیں کھا سکتا تو اُس کے لیے ٹیک لگا کر کھانے کی اجازت ہے، ورنہ جو صحت منداور ٹھیک ہیں، وہ ٹیک لگا کر نہ کھائیں۔

عزیز ساتھیو! لہٰذا ہمیں خود بھی اس ادب کا خیال رکھنا چاہیے اور اپنے بھائی، بہن، رشتے داروں اور دوستوں کو بھی یہ ادب اور سنت بتانی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے نبی ﷺ کی ہر ہر سنت اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

عنوان	مصنف	صفحہ
سیرت کہانی ۲۲	عبدالعزیز	06
بلاعنوان (۱۶۳)	شکیل نیازی	10
عظیم تحفہ	الطاف حسین	12
پلٹ آؤ، یہی اسلام کہتا ہے	ارسلان اللہ خان	14
ڈپٹ	محسن ابڑو حیدری	15
جنگل میں منگل	ڈاکٹر الماس روحی	17
چچ چچ چچ......!	مفتی محمد معاویہ اسماعیل	18
میں پھر تیار ہوں	ایمن سلیم	22
انسان یا مسلمان؟	روبینہ عبدالقدیر	25
بھید	قرۃ العین ہاشمی	28
۲۳ مارچ	محمد شریف شیوہ	30
محنتی	محمد ذکی	35
سائبان	اکبر امین میمن	36
چھٹیاں	نادیہ ناز غوری	38
جمعہ اور دعا (نظم)	انصار احمد معروفی قاسمی	40
انوکھا	افشاں شاہد	41
چھوٹی سی گڑیا	شاہد اقبال	43
کتے	ڈاکٹر صفیہ سلطانہ صدیقی	46
مدد کا بدلہ	محمد سعد صالح	47
تجدید عہد	حافظ محمد آریز	49
پہاڑ پر آگ	انسپکٹر احمد عدنان طارق	52

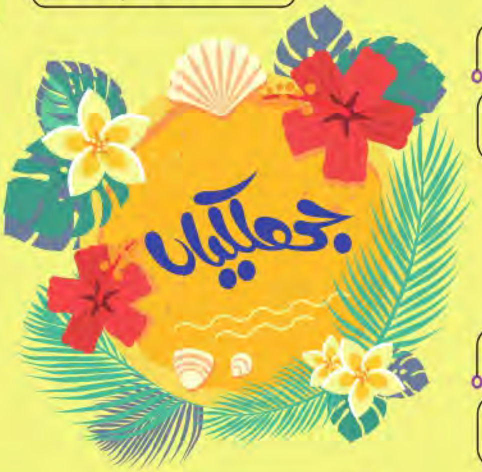

علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ

ماہ نامہ

ذوق و شوق

کراچی

زیر سرپرستی:

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم

جمادی الثانیہ، رجب ۱۴۴۲ ہجری | جلد: 16

شمارہ: 02

ناشر ~~~ محمد عارف رشید

مجلس ادارت

- مدیر ~~~ عبدالعزیز
- معاون ~~~ محمد طلحہ شاہین

مجلس مشاورت

پروفیسر محمد احمد خان صاحب

راشد علی نواب شاہی

سرورق السٹریٹر ~~~ سید ناصر

آرٹسٹ ~~~ قیصر شریف

کمپوزر ~~~ سعد علی

نگران ترسیل ~~~ منور عمر

اس رسالے کی تمام آمدنی تعلیم و تبلیغ اور اصلاح امت کے لیے وقف ہے۔

قیمت 70

سالانہ خریداری بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک 1000/=

بذریعہ عام ڈاک 750/=

ماہ نامہ ذوق و شوق میں اشتہار شائع کرنے کا مطلب تصدیق ہے نہ سفارش۔ یہ صرف عوام کو مطلع کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ مصنوعات کے بارے میں قارئین خود تحقیق فرمالیں۔

خط و کتابت کا پتہ:

ماہ نامہ ذوق و شوق، پی۔او۔ بکس نمبر 17984 پوسٹ کوڈ 75300 گلشن اقبال، کراچی

Email: zouqshouq@hotmail.com

zouq shouq/ذوق شوق

اشتہارات اور سالانہ خریداری کے لیے رابطہ کریں

0213-4990760, 0341-4410118

What's app: 0324-2028753

دفتری اوقات: صبح 8:00 تا 1:00 دوپہر 2:30 تا 6:00

PARADISE BOOKS DISTRIBUTORS

Karachi: J-73, UNIT-1, GROUND FLOOR, OFF ALLAMA IQBAL ROAD, PECHS BLOCK-2, KARACHI. 021-34314981
LAHORE: SIDDIQUE MANAZIL, 2ND FLOOR, 40-ABBOT ROAD, STREET NEON PRINCE, LAHORE. 051-48430042
RAWALPINDI: OFFICE NO 2, FIRST FLOOR, STAR PLAZA, PARADISE HOUSE, RAWALPINDI. 042-3629701

پبلشر محمد عارف رشید نے بچوں کی تعلیمی و دینی ترقی و اصلاح کی خاطر ابن حسن پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے آپ سب بخیر وعافیت ہوں گے۔

ہم دوسروں کے مہمان بنتے بھی رہتے ہیں اور مہمان ہمارے ہاں بھی آتے رہتے ہیں۔ جب ہم مہمان ہوتے ہیں تو اُس کے بھی کچھ آداب ہیں اور جب ہمارے ہاں مہمان آتے ہیں، اس کے بھی کچھ آداب ہیں۔

لیکن آج ہم آپ کو مہمان بننے کے آداب بتانے نہیں جا رہے، نہ ہی ہم آپ کو مہمان آنے پر میزبان بننے کے آداب بتائیں گے۔ ہم تو صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر مہمان ہمارے ہاں آئیں تو جتنا ہو سکے ان کی تواضع کرنی چاہیے، اس میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھنی چاہیے اور اِس تواضع پر ہونے والے خرچے پر پریشان بھی نہیں ہونا چاہیے۔
یہی بات تو ایک شاعر نے کہی ہے اور کیا خوب کہی ہے: ؎

مت پریشاں ہو کبھی بھی آمدِ مہمان پر
رزق کھاتا ہے وہ اپنا تیرے دسترخوان پر

آج جب ہمارے ہاں مہمانوں کی آمد کی خبر پہنچی تو ہم نے بھی اس شعر پر عمل کرنے کی ٹھانی اور بغیر پریشان ہوئے مہمانوں کی تواضع کے لیے سامان لینے ایک دکان پر جا پہنچے۔ نکلنے سے پہلے ہم نے بیگم صاحبہ سے کہہ دیا کہ سامان کی لسٹ ہمیں واٹس ایپ کر دیں۔ دکان پر پہنچ کر جو موبائل کھولا تو اُس میں دیگر سامان کے ساتھ بسکٹوں کے دو ہاف رول بھی لکھے تھے، ایک کا نام تو ہم سمجھ گئے، جب کہ دوسرے کا نام ہم پوری طرح نہ سمجھ پائے۔ جتنا سمجھ پائے وہ دکان دار کو بتا دیا۔

''پینٹ نام کا تو کوئی بسکٹ نہیں آتا۔'' دکان دار نے نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

ہم نے بیگم صاحبہ کو کال ملائی۔

''ارے! پینٹ نہیں ہے، وہ پی نَٹ ہے۔'' بیگم صاحبہ کے جواب پر ہم نے کھسیانی ہنسی کے ساتھ کال ختم کر دی۔ ہمیں مسکراتا دیکھ کر دُکان دار بھی مسکرا رہا تھا۔ ہم نے اسے بتایا کہ ہم جسے پینٹ پڑھ رہے تھے، وہ ''پی نَٹ ہے''۔ ہم نے مزید کہا:

''انسان خود کو بڑا سمجھ دار، پھنے خاں اور طرم خاں سمجھتا ہے، کبھی کبھار اللہ تعالیٰ اسے دکھا دیتے ہیں کہ اے نادان انسان! تُو خود کچھ بھی نہیں ہے، جو کچھ ہیں، ہم ہی ہیں۔ تیری سمجھ، تیری صلاحیت، تیری قوت وطاقت سب ہماری عطا ہے، لہٰذا ہمیں کو سب کچھ سمجھ، اپنے آپ کو کچھ بھی سمجھنا چھوڑ دے۔''

اس واقعے سے ہم نے تو یہ سبق حاصل کیا، اور آپ نے؟

سیرت کہانی ۲۲

عبدالعزیز

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی اور سیرت کے اہم واقعات پر مبنی ایک پیارا اسلسلہ۔

نبوت کے بارھویں سال اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں جمعہ قائم کیا۔ ہوا یہ کہ جب آپ رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا کہ یہودی ہفتے کے روز اور عیسائی اتوار کے روز جمع ہوتے ہیں تو اُنھوں نے یہ سوچا کہ مسلمانوں کو بھی ایک دن ایسا مقرر کرنا چاہیے جس میں سب مسلمان جمع ہوں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر، اس کا شکر کریں اور نماز پڑھیں، اس کے لیے اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے جمعہ کا دن تجویز کیا اور اس روز لوگوں کو نماز بھی پڑھائی۔

(زرقانی، ج:۱، ص:۳۱۵)

زمانہ جاہلیت میں اس روز کو ''یومِ عروبہ'' کہا جاتا تھا، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے ''یومِ جمعہ'' کا نام دیا۔ مسلمانوں کے ایک دن جمع ہونے اور اُسے ''جمعہ'' کہنے کی اللہ تعالیٰ نے بھی تائید فرمائی اور قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی:

''یاأیھا الذین امنوا اذا نودی للصلوة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع۔''

(سورۂ جمعہ، آیت:۹)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو ذکرِ الٰہی کی طرف لپکو اور خرید وفروخت چھوڑ دو، تمھارے لیے یہی بات بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔''

اس سے جمعہ فرض ہونے اور اللہ تعالیٰ کو ''یوم جمعہ'' کا لفظ پسند آنے کا علم ہوا۔

اس کے چند ہی روز بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خط جمعہ قائم کرنے کے بارے میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے نام پہنچا کہ ''جمعے کے روز آدھا دن گزرنے کے بعد سب مل کر اللہ تعالیٰ کے دربار میں دو رکعت نماز پڑھا کریں۔''

(زرقانی، ج:1، ص:315)

عبدالرحمٰن بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد کعب بن مالک رضی اللہ عنہ جب جمعہ کی اذان سنتے تو اَسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے لیے مغفرت کی دعا فرماتے۔ میں نے ایک بار اس کی وجہ پوچھی تو اُنھوں نے فرمایا:

''مدینے میں سب سے پہلے اسعد بن زرارہ ہی نے ہمیں جمعہ پڑھایا تھا۔''

(الاصابہ، ج:1، ص:34)

نبوت کے تیرھویں سال حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ حج کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے تو اُن کے ساتھ مسلمانوں کے علاوہ قبیلہ اوس اور خزرج کے مشرکین بھی تھے۔ ان لوگوں کی کل تعداد چار سو سے زیادہ تھی۔ ان میں مسلمانوں کی تعداد پچھتر تھی، جن میں سے تہتر مرد اور دو عورتیں تھیں۔ ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اُسی گھاٹی میں بیعت کی جس میں ان سے پہلے وفد نے کی تھی۔ اس بیعت کا نام ''بیعت عقبہ ثانیہ'' ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''دس سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں لوگوں کے گھروں، بازاروں اور میلوں میں جا جا کر اِسلام کی دعوت دیتے رہے اور یہ فرماتے رہے:

''کون ہے جو مجھے ٹھکانا دے گا؟ کون ہے جو میری مدد کرے گا؟ تاکہ میں اللہ تعالیٰ کا پیغام آگے پہنچا سکوں۔ اس مدد اور ٹھکانا دینے والے شخص کے لیے بدلے میں جنت ہوگی، مگر کوئی ٹھکانا دینے والا نہ تھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یثرب (مدینہ) سے آپ کے پاس بھیجا۔ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا بھی مانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھکانا بھی دیا۔ ہم میں سے

جو شخص بھی آپ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا تو مسلمان ہوکر واپس لوٹتا تھا۔ اس طرح جب مدینے کے ہر گھر میں اسلام پہنچ گیا تو ہم نے مشورہ کیا کہ آخر کب تک ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں چھوڑ رکھیں گے کہ آپ مکے کے پہاڑوں میں پریشان اور خوف زدہ پھرتے رہیں تو ستر آدمی ہم میں سے حج کے زمانے میں مدینے سے مکے آئے۔"

(البدایہ والنہایہ، ج:۳، ص:۴۶)

ان لوگوں کے بیعت کرنے کا قصہ کچھ یوں ہے کہ ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خفیہ پیغام بھیجا کہ ہم بیعت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ کی اسی مبارک گھاٹی میں رات کے وقت ملنے کا وعدہ فرمایا، جہاں پچھلے سال بارہ حضرات بیعت ہوکر گئے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اگرچہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کو پسند کرتے تھے۔ بیٹھتے ہی حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے انصار سے کہا:

"محمد اپنی قوم میں عزت والے ہیں اور ہم ان کے مددگار ہیں۔ وہ تمھارے یہاں آنا چاہتے ہیں۔ اگر تم ان کی پوری پوری حفاظت کرسکو اور مرتے دم تک اس پر قائم رہو تو بہتر ہے، ورنہ ابھی سے صاف جواب دے دو۔"

انصار نے جواباً کہا کہ آپ نے جو فرمایا وہ ہم نے سنا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوکر عرض کیا:

"یارسول اللہ! آپ ہم سے جو چاہتے ہیں، ہم اس کے لیے حاضر ہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے لیے جو چاہے ہم سے وعدہ لے لیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں تمھیں اللہ تعالیٰ طرف بلاتا ہوں۔" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا۔ قرآن کریم کی تلاوت فرمائی اور فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کے لیے تم سے سوال کرتا ہوں کہ اس کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور اپنے ساتھیوں کے لیے چاہتا ہوں کہ ہمیں ٹھکانا دو اور جس طرح اپنی اور اپنے بچوں اور عورتوں کی حفاظت کرتے ہو اسی طرح ہماری حفاظت کرو اور خوشی ہو یا غمی، تنگی ہو یا تونگری، ہر حال میں میری اطاعت کرو اور میں جو کہوں وہ سنو۔"

انصار نے عرض کیا:

"اگر ہم ایسا کریں تو ہمیں اس کا کیا بدلہ ملے گا؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جنت۔"

ان لوگوں کہا:

"ہمیں یہ سب منظور ہے، اپنا ہاتھ آگے بڑھائیے، ہم بیعت کرنے کے لیے تیار ہیں۔"

ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

"یارسول اللہ! مجھے کچھ عرض کرنا ہے، وہ یہ کہ ہم میں اور یہودیوں میں تعلقات ہیں۔ آپ سے تعلق قائم ہونے کے بعد اُن سے ہمارے تعلقات ختم ہوجائیں گے تو کہیں ایسا تو نہ ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ آپ کو فتح اور نصرت نصیب فرمائے گا تو آپ ہمیں چھوڑ کر مکہ مکرمہ واپس ہوجائیں گے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر مسکرائے اور فرمایا:

"بالکل بھی نہیں، تمھاری جان میری جان ہے اور تم میرے ہو اور میں تمھارا ہوں۔ جس سے تم صلح کروگے اس سے میں صلح کروں گا، جس سے تمھاری جنگ ہے اس سے میری جنگ ہے۔"

اس بات پر سب نے خوش ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھا دیے۔

(فتح الباری، ج:7، ص:173)

حضرت سلیمان بن نجیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جب اوس اور خزرج کا اس بارے میں اختلاف ہوا کہ سب سے پہلے

کس شخص نے آپ ﷺ کے ہاتھ مبارک پر بیعت کی تو بعض نے کہا:

’’اس کا صحیح علم عباس رضی اللہ عنہ کو ہوگا، کیوں کہ وہ اس وقت موجود تھے۔‘‘

جب ان سے پوچھا گیا تو اُنھوں نے فرمایا:

’’سب سے پہلے حضرت اسعد بن زرارہ (رضی اللہ عنہ) نے بیعت کی، پھر براء بن معرور (رضی اللہ عنہ) نے اور پھر اُسید بن حضیر (رضی اللہ عنہ) نے بیعت کی۔‘‘

(فتح الباری، ج:۷، ص:۱۷۳)

اس موقع پر حضرت عباس بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے بیعت کو مضبوط کرنے کی غرض سے کہا:

’’اے قبیلہ خزرج کے لوگو! تمھیں معلوم بھی ہے کہ کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ سمجھ لو کہ عرب اور عجم سے جنگ کرنے پر بات کر رہے ہو! اگر آئندہ چل کر مصیبتوں سے گھبرا کر بیعت چھوڑ دینے کا خیال ہو تو اَبھی سے چھوڑ دو، اس وقت کا گھبرا کر چھوڑ نا اللہ کی قسم! دنیا اور آخرت کی ذلت کا سبب ہوگا اور اگر تم آئندہ کی مصیبتوں کو برداشت کر سکتے ہو اور اپنی جان اور مال داؤ پر لگا کر اپنے وعدے پر قائم رہ سکتے ہو تو اللہ کی قسم! اس میں تمھارے لیے دنیا و آخرت کی خیر اور بھلائی ہے۔‘‘ سب نے کہا:

’’اللہ کی قسم! ہاں، ہم اسی پر بیعت کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ کے لیے جان و مال خرچ کرنے سے نہ رکیں گے اور اللہ کی قسم! مصیبتوں کے ڈر سے ہم اس بیعت کو نہیں توڑیں گے۔‘‘

(سیرت ابن ہشام، ج:۱، ص:۱۵۶)

جب سب لوگ بیعت کر چکے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں سے بارہ نقیب مقرر کیے تھے، اسی طرح میں بھی جبرائیل علیہ السلام کے اشارے پر تم میں سے بارہ نقیب منتخب کرتا ہوں۔‘‘

اور اُن بارہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

’’تم اپنی اپنی قوم کے کفیل اور ذمے دار ہو، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں کے کفیل تھے۔‘‘

(طبقات ابن سعد، ج:۱، ص:۱۵)

(نقیب کہتے ہیں نمائندوں کو۔ جناب رسول اکرم ﷺ نے انصارِ مدینہ کے دونوں قبیلوں، اوس اور خزرج کے لوگوں سے عمومی بات چیت کے لیے یہ بارہ نقیب مقرر کیے تھے، جنھوں نے اپنے قبیلوں اور حضور ﷺ کے درمیان نمائندوں کی حیثیت سے کام کیا اور ہجرت سے پہلے یثرب (مدینہ) کے عمومی ماحول کو آپ ﷺ کی تشریف آوری کے لیے تیار کیا، چناں چہ ان بارہ نقیبوں نے مسلسل دو سال تک اپنے اپنے علاقوں میں وہ محنت کی جس کے نتیجے میں جناب نبی اکرم ﷺ کے آتے ہی ریاست مدینہ قائم ہوئی اور آپ ﷺ کو اُس کا حاکم اعلیٰ تسلیم کر لیا گیا۔)

آپ ﷺ نے جنھیں نقیب منتخب فرمایا اُن کے نام یہ ہیں:

۱۔ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ۔

۲۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ۔

۳۔ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ۔

۴۔ رافع بن مالک رضی اللہ عنہ۔

۵۔ ابوجابر عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ۔

۶۔ براء بن معرور رضی اللہ عنہ۔

۷۔ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ۔

۸۔ منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ۔

۹۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ۔

۱۰۔ اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ۔

۱۱۔ سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ۔

۱۲۔ رفاعۃ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ۔

نبی کریم ﷺ نے انصار کے لوگوں سے مخاطب ہو کر یہ بھی فرمایا:

’’میں تم سے بارہ نقیب منتخب کروں گا، تم میں سے کوئی یہ خیال نہ کرے کہ مجھے نقیب کیوں نہیں بنایا گیا، اس لیے کہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند ہوں، جس طرح وہ حکم دے گا میں اسی طرح کروں گا۔‘‘

حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کے ساتھ بیٹھے تھے، جس جس کو نقیب بنانے کا حکم تھا اس کی طرف اشارہ کرتے جاتے تھے۔

(روض الانف، ج:۱، ص:۲۷۷)

بیعت کے اگلے روز جب صبح ہوئی اور یہ خبر مکے میں پھیلی تو قریش نے مدینے سے آئے ہوئے لوگوں سے آ کر پوچھا۔ مدینے سے آئے ہوئے قافلے میں جو مشرک اور بُت پرست لوگ تھے، چوں کہ انھیں اس بات کا پتا نہیں تھا، اس لیے انھوں نے اس خبر کو غلط کہہ دیا اور کہا کہ اگر ایسا ہوتا تو ہمیں ضرور پتا چلتا۔ اس کے بعد جب مدینے کا یہ قافلہ مکے سے روانہ ہو گیا تو کفارِ مکہ کو پتا چلا کہ بیعت کی خبر درست تھی۔ اب ان کافروں نے اس قافلے کو پکڑنا چاہا تو

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جو قافلے سے پیچھے رہ گئے تھے، کے علاوہ کوئی ہاتھ نہ آیا۔ کافروں نے اُنھیں خوب مارا۔ حضرت جبیر مطعم رضی اللہ عنہ نے آ کر انھیں چھڑایا۔

(سیرت ابن ہشام، ج:ا،ص:۱۵۷)

جب یہ بیعت ہو رہی تھی تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! آپ ہم سے جو چاہے وعدہ لے لیں، لیکن یہ بتادیں کہ ہمیں اس کے بدلے میں ملے گا کیا؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جنت۔''

''حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''یہ تو بڑا نفع والا سودا ہے، ہم اسے ختم کرنے پر ہرگز راضی نہ ہوں گے۔'' اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی، جس کا مفہوم یہ ہے:

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں، جس میں کبھی مارتے ہیں اور کبھی مارے جاتے ہیں۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے تورات، انجیل اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ کون وعدہ پورا کرنے والا ہوسکتا ہے۔ پس اے مسلمانو! تمھیں خوش خبری ہو اور یہ سودا تمھیں مبارک ہو جو تم نے اللہ سے کیا ہے، یہ بہت بڑی کام یابی ہے۔''

(فتح الباری، ج:۲،ص:۲)

انصار کا قافلہ مکے سے مدینے پہنچا اور اُنے اسلام کا اعلان کیا۔ مدینے کے تقریباً اکثر قبیلے ایمان لے آئے، مگر اُن قبیلوں کے چند بوڑھے لوگ ایمان نہ لائے، بل کہ اسی طرح بت پرستی پر جمے رہے۔ انھی میں سے ایک حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ بھی تھے جو قبیلہ بنوسلمہ کے سردار تھے، حالاں کہ ان کے بیٹے حضرت معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ بھی ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر کے مکے سے واپس لوٹے تھے۔ عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ نے لکڑی کا ایک بت بنا رکھا تھا، جس کی وہ بہت عزت کیا کرتے تھے۔

ایک رات خود اُن کے بیٹے حضرت معاذ بن عمرو بن جموح، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما اور بنوسلمہ کے چند نوجوان مسلمانوں نے مل کر یہ کیا کہ عمرو بن جموح کا بُت لے جا کر ایک گڑھے، جس میں کوڑا پھینکا جاتا تھا، میں الٹا لٹکا دیا۔ جب صبح ہوئی تو عمرو بن جموح نے دیکھا کہ ان کا اپنا بنایا ہوا خدا غائب ہے۔ کہنے لگے:

''افسوس! پتا نہیں کون ہمارے خدا کو لے بھاگا۔''

اس کی تلاش میں ادھر اُدھر دوڑے۔ آخر کوڑے والے گڑھے میں الٹا لٹکا ہوا پایا۔ اسے نکالا، غسل دیا، خوش بو لگائی۔ جب دوسری رات ہوئی تو پھر اُن لوگوں نے ایسا ہی کیا۔

اگلی صبح عمرو بن جموح پھر اُسے تلاش کر کے لائے۔ نہلایا اور خوش بو لگائی۔ جب کئی روز مسلسل اسی طرح ہوتا رہا تو عمرو بن جموح ایک روز تلوار لائے اور اپنے اس لکڑی کے بت کے کاندھے پر رکھ دی اور کہا:

''خدا کی قسم! مجھے نہیں معلوم کہ کون شخص تیرے ساتھ یہ معاملہ کرتا ہے۔ اگر تجھ میں کوئی بھلائی ہے تو یہ تلوار موجود ہے، تُو خود اپنی حفاظت کر لے۔''

جب رات ہوئی تو وہ نوجوان، تلوار اُس بت کے کاندھے سے اُتار کر بت کو ایک مرے ہوئے کتے کے ساتھ باندھ کر گڑھے میں لٹکا آئے۔ جب صبح ہوئی تو عمرو بن جموح نے دیکھا کہ بت پھر غائب ہے۔ عمرو بن جموح پھر تلاش میں نکلے۔ دیکھا کہ بت اور مرا ہوا کتا، دونوں ایک رسی میں بندھے گڑھے میں لٹک رہے ہیں۔ دیکھتے ہی آنکھیں کھل گئیں اور (بت سے) کہنے لگے:

''اللہ کی قسم! اگر تُو خدا ہوتا تو اِس قدر ذلیل نہ ہوتا۔''

پھر اسلام لے آئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے اپنی رحمت سے اس گم راہی سے نجات دی اور چند اَشعار پڑھے، جن کا مفہوم یہ ہے:

''خدا کی قسم! اگر تُو خدا ہوتا تو کتے کے ساتھ رسی میں بندھ کر گڑھے میں لٹکا ہوا نہ ملتا۔ افسوس ہے تیری خدائی پر! آج ہمیں اپنی بے وقوفی معلوم ہو ہی گئی۔ تمام تعریفیں اس اونچے اللہ کے لیے جو بڑا احسان کرنے والا، روزی دینے والا اور بدلہ دینے والا ہے۔ اس سے پہلے کہ میں اندھیری قبر میں امانت کے طور پر رکھا جاتا اس اللہ نے مجھے احمد مجتبیٰ، ہدایت یافتہ نبی امین کی برکت سے اس گم راہی سے بچالیا۔''

اس طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کی تکلیفیں اپنی انتہا کو پہنچ گئیں تب اللہ تعالیٰ کی مدد آگئی۔ وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے مدینے سے انصار کو بھیجا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے اور دعوت قبول کر کے پوری پوری مدد کرنے کی بیعت کر کے واپس چلے گئے اور یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے ظاہری اسباب پیدا ہوگئے۔

......(جاری ہے)......

بلاعنوان ۱۶۲

شکیل نیازی۔ میانوالی

پچھلے دو گھنٹے سے وہ اپنی کلائی پر بندھی گھڑی کو دیکھے جا رہا تھا۔ یہ دو گھنٹے اس کے لیے جیسے صدیوں کے برابر تھے۔ وہ جیسے ہی گھڑی سے نظر ہٹا کر استقبالیہ پر بیٹھے آدمی کو دیکھتا، وہ آدمی اس کی نظروں کا مفہوم سمجھ کر کندھے اُچکا دیتا۔ وہ اسی طرح اس آفس میں باس کے میٹنگ سے فارغ ہونے کا انتظار کر رہا تھا کہ اچانک باس کے کمرے کا دروازہ کھلا اور تھری پیس سوٹ میں ملبوس دو آدمی چہرے پر مسکراہٹ لیے باہر نکلے، جیسے کسی بڑی ڈیل کے لیے باس کو راضی کر لیا ہو۔ وہ دونوں اس کے سامنے سے گزرے تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''کیا میں اب اندر جا سکتا ہوں؟'' اس نے استقبالیہ پر بیٹھے آدمی سے پوچھا۔

''ایک منٹ، باس سے پوچھ لوں۔'' اس نے کہا اور انٹر کام کا ریسیور اُٹھایا۔

''سر! کیا اب اسے اندر بھیج دوں؟ جی بہتر۔'' اس نے کہا اور انٹر کام کا ریسیور رکھ دیا۔

''ہاں، تم اب اندر جا سکتے ہو۔'' استقبالیہ والے نے کہا تو وہ سر ہلاتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

''السلام علیکم سر!'' اس نے اندر داخل ہوتے ہی کہا۔

''ہاں بیٹھو۔'' باس نے اس کے سلام کا جواب دیے بغیر ایک فائل کو چیک کرتے ہوئے کہا تو وہ سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے سرسری انداز میں آفس کا جائزہ لیا۔ کھڑکیوں پر لگے قیمتی پردے، مہنگا فرنیچر اور فرش پر بچھا اعلیٰ قالین چیخ چیخ کر اعلان کر رہے تھے کہ یہ پرائیوٹ فرم اچھا بزنس کر رہی ہے۔

''جی، تمھارا نام کیا ہے؟'' باس نے فائل ایک طرف رکھ کر نظر کا چشمہ اتارتے ہوئے کہا۔

''زبیر اصغر!'' اس نے جواباً کہا۔

''ہاں تو مسٹر اُصغر! یہاں کس سلسلے میں آئے ہو؟'' باس نے بے زاری سے کہا۔

''جی، ہمارے ایک پڑوسی ہیں عارف صاحب، وہ بتا رہے تھے کہ آپ کو ایک چوکی دار کی ضرورت ہے۔ اسی سلسلے میں آپ سے ملنے آیا ہوں۔'' زبیر اصغر نے کہا۔

''اچھا تو تمھیں انوار قریشی صاحب نے نہیں بھیجا!؟'' باس نے حیران ہو کر پوچھا۔

''جی نہیں، انھوں نے نہیں بھیجا، بل کہ میں تو اُنھیں جانتا بھی نہیں۔'' زبیر اصغر نے جواب دیا۔

''اوہو! میں تو سمجھا تھا کہ ان کا کوئی بھیجا ہوا آدمی باہر بیٹھا ہے۔'' باس نے بے زاری سے کہا تو وہ باس کو دیکھتا رہ گیا، جیسے اس کی سمجھ میں باس کی بات نہ آئی ہو۔

''اچھا چھوڑو، پہلے کبھی چوکی داری کی ہے؟'' باس نے نیا سوال داغا۔

''جی ہاں، ایک جیولری کی دکان پر کی تھی۔'' اس نے دھیرے سے کہا۔

''تو پھر وہ نوکری کیوں چھوڑی؟''

''جی، وہ دکان کے مالکان نے اپنا کاروبار دوسرے شہر منتقل کر دیا تھا۔''

''انھوں نے کاروبار دوسرے شہر میں منتقل کر دیا تھا یا ان کی پوری کی پوری دکان ہی تمھاری موجودگی میں لوٹ لی گئی تھی!؟'' باس نے منہ بنا کر کہا۔

''نہیں جی، ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ آپ کسی سے بھی پوچھ لیں فاروق جیولرز کے بارے میں تو وہ آپ کو یہی جواب دے گا کہ انھوں نے اپنا کاروبار یہاں سے شفٹ کر لیا ہے۔'' باس کے جھوٹے الزام پر اُس نے تڑپ کر کہا۔

''دیکھو بھائی! مجھے گھما پھرا کر بات کرنے کی عادت نہیں ہے۔ انوار قریشی نے اگر تمھیں بھیجا ہوتا تو میں تمھیں فوراً ملازمت دے دیتا یا کسی ایسے آدمی کی سفارش لے کر آتے جو میرے قریبی لوگوں میں شمار ہوتا تو بھی میں تمھیں رکھ لیتا، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ تمھارے پاس کوئی سفارش نہیں ہے۔'' باس نے اسے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''لیکن جناب! آپ عارف صاحب سے پوچھ سکتے ہیں کہ میں نے جہاں بھی ملازمت کی ہے ایمان داری سے کی ہے۔'' زبیر اُصغر نے ڈوبتے دل کے

بہترین عنوان تجویز کرنے پر 250، دوسرا بہترین عنوان تجویز کرنے پر 150، تیسرا بہترین عنوان تجویز کرنے پر 100 روپے انعام دیا جائے گا۔ ''بلاعنوان'' کے کوپن پر عنوان تحریر کر کے ارسال کریں۔
عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ **31 مارچ 2021** ہے۔
نوٹ: کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا جس پر اعتراض قابل قبول نہ ہوگا۔

ساتھ کہا، کیوں کہ اب اسے یہ ملازمت بھی ہاتھ سے نکلتی دکھائی دے رہی تھی۔

''ارے، کیا عارف صاحب، عارف صاحب لگا رکھا ہے۔ وہ کوئی صاحب نہیں ہے، ہمارے آفس کا چپڑاسی ہے، اور رہا سوال ایمان داری کا تو کیا تم اپنی ایمان داری کی سند دِکھا سکتے ہو؟''

''سر! ایمان داری کی بھی بھلا کوئی سند ہوتی ہے!'' زبیر اصغر نے کہا۔ اتنے میں باس کے موبائل کی گھنٹی بج اٹھی، باس نے ٹیبل پر رکھا اپنا قیمتی موبائل اٹھایا اور کان سے لگالیا۔

''ہاں اکرام! نہیں ابھی میں آفس میں ہوں۔ ابھی نکل رہا ہوں۔ او کے، دس منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔'' باس نے مسلسل موبائل پر بات کرتے ہوئے کہا اور اُٹھ کر باہر جانے لگا تو زبیر اصغر بھی تھکے تھکے قدموں کے ساتھ اس عمارت سے باہر نکل آیا، جب کہ باس پارکنگ ایریا میں اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

''تو سر! کیا میں آپ کی طرف سے انکار سمجھوں۔'' زبیر اصغر نے اپنی طرف سے آخری کوشش کرتے ہوئے بھرائی آواز میں کہا۔

''نہیں، میں نے انکار تو نہیں کیا، صرف یہی کہا ہے کہ جب تم اپنی ایمان داری کی سند لے آؤ گے تو تمھیں ملازمت مل جائے گی۔'' باس نے طنزیہ انداز میں کہا اور موبائل اپنی پتلون کی جیب میں رکھ کر گاڑی میں سوار ہو گیا اور اُس کے ساتھ ہی گاڑی آگے بڑھ گئی، جب کہ زبیر اصغر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، کیوں کہ وہ چار بچوں کا باپ تھا اور گزشتہ پانچ ماہ سے بے روزگار تھا۔ وہ یہاں بڑی امید لے کر آیا تھا، لیکن باس کی باتوں نے، خصوصاً سند والی بات نے اسے بہت مایوس کیا تھا۔ اسی عالم میں اس کا سَر جھکتا چلا گیا۔

......☆......

باس کو آفس سے نکلے آدھا گھنٹا ہی ہوا تھا کہ وہ دوبارہ آفس آ گیا۔

''ماجد! میرا موبائل کہیں گر گیا ہے۔ کیا تم نے دیکھا؟'' باس نے پریشانی کے عالم میں ریسپشن پر موجود آدمی سے پوچھا۔

''نو سر! آپ جب یہاں سے نکل رہے تھے تب آپ کے پاس موبائل تھا اور آپ کال پر باتیں کر رہے تھے۔'' ماجد نے کہا تو باس نے بے اختیاراً اپنا سر تھام لیا۔

''شاید میں باہر ہی کہیں گرا آیا ہوں۔ پورے ایک لاکھ کا تھا اور یہی نہیں، اس میں تمام بزنس ڈیٹا بھی تھا۔'' باس نے مایوسی کے عالم میں کہا۔

''آپ نے اس نمبر پر کال کی؟'' حامد نے پوچھا۔

''ہاں کی تھی، لیکن وہ بند آ رہا ہے۔'' باس نے سر ہلاتے ہوئے تاسف سے کہا۔

''سر! ایک آدمی یہ موبائل اور کاغذ دے کر گیا ہے۔'' آفس رنر جاوید نے موبائل اور کاغذ باس کے حوالے کرتے ہوئے کہا تو باس نے فوراً لپک کر موبائل اور کاغذ اُس سے لے لیا، جو ابھی تک بند ہی تھا اور کاغذ کھول کر پڑھنے لگا، جس پر چھوٹی سی تحریر کچھ یوں تھی:

آپ جلدی میں یہ موبائل پارکنگ میں ہی گرا گئے تھے اور شاید یہ گرنے کی وجہ سے ہی بند ہوا ہے۔ یہ جس حالت میں مجھے ملا اسی حالت میں واپس کر رہا ہوں۔ آپ کے نزدیک ایمان داری کی کیا سند ہے؟ میں نہیں جانتا، لیکن میرے نزدیک ایمان داری کی یہی صحیح سند ہے کہ جس کا مال ہے اسے اس کے مالک کے حوالے کر دو۔

زبیر اصغر

تحریر ختم ہو چکی تھی، لیکن باس کی حیرت ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

عظیم تحفہ

الطاف حسین۔ کراچی

"تم آج مجھے کچھ پریشان دِکھائی دے رہے ہو۔ خیر تو ہے نا!؟" ماجد کی امی نے اس کے چہرے کی اُداسی کو بھانپتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں، کوئی بات نہیں۔" ماجد نے ٹالنے کی کوشش کی۔

"بیٹا! تم ان آنکھوں کو اِتنی آسانی سے غلط نہیں کہہ سکتے جو تمھارے چہرے کے ایک ایک رنگ کو پہچانتی ہیں۔" وہ اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولیں۔ "اگر کوئی مسئلہ ہے تو مجھے بتاؤ، میں اس کا حل تلاش کرنے میں تمھاری مدد کروں گی۔"

"امی! کل میرے دوست بلال کے گھر دعوت ہے۔" ماجد سوچ میں گم لہجے میں بولا۔

"تو اِس میں پریشان ہونے والی کیا بات ہے!؟" امی نے اسے دیکھتے ہوئے حیرت سے کہا۔

"امی! میں بلال کو کوئی تحفہ دینا چاہتا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ سب سے اچھا تحفہ میرا ہو، لیکن وہ کیا ہو؟ بس یہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

"اچھا تو یہ بات ہے! اب میں سمجھی۔" ماجد کی امی اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولیں۔ "تم ایسا کرو کہ پہلے ہوم ورک کر لو، میں اتنی دیر میں گھر کا کام کر لیتی ہوں، پھر ہم دونوں مل کر سوچیں گے۔ مجھے اُمید ہے کہ کوئی حل نکل ہی آئے گا۔"

"ٹھیک ہے امی!" ماجد نے کہا اور اُٹھ کر اَپنے کمرے میں چلا گیا۔

......☆......

ماجد نے ہوم ورک تو کر لیا، لیکن اس کا ذہن ابھی تک تحفے کے متعلق ہی سوچ رہا تھا۔ بہت سی چیزوں کے نام اس کے دماغ میں گردش کر رہے تھے۔ سوچتے سوچتے اچانک اس کا چہرہ خوشی سے کھل اُٹھا۔ اس کے ذہن نے اس مسئلے کا ایک لاجواب حل تلاش کر لیا تھا!

"امی! امی! مجھے مل گیا!"

وہ اپنے کمرے سے نکل کر صحن میں آ گیا، جہاں اس کی امی کام میں مصروف تھیں۔

"ارے کیا مل گیا؟" امی نے قمیص میں بٹن ٹانکتے ہوئے پوچھا۔

"تحفہ!" ماجد نے ادھورہ انکشاف کیا۔

"اچھا!" امی حیرت بھرے انداز میں بولیں۔ "کیا ہے؟ مجھے بھی بتاؤ۔"

"ابھی نہیں، کل صبح بتاؤں گا۔" ماجد نے شرارت بھرے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

......☆......

بلال کے گھر کا اندرونی حصہ برقی قمقموں سے کافی روشن ہو رہا تھا۔ مغرب کی نماز کے بعد ہی مہمانوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ لوگ مسکراتے چہروں کے ساتھ ٹولیوں کی شکل میں ایک دوسرے سے خوش گپیوں میں مصروف تھے، لیکن بلال بے چین دکھائی دے رہا تھا۔ وہ بار بار اپنے گھر کے مرکزی دروازے کی طرف یوں دیکھ رہا تھا جیسے کسی کی آمد کا منتظر ہو اور وہ کون تھا؟ یہ تو وہی بہتر جانتا تھا۔

اس کے دوستوں نے اس کی بے چینی کو بھانپ لیا۔

"کیا بات ہے بلال! تم بہت بے چین نظر آ رہے ہو؟ خیریت تو ہے نا!؟" بلال کے اردگرد کھڑے دوستوں میں سے ایک دوست امجد نے اسے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"عشا ہونے والی ہے، لیکن ماجد ابھی تک نہیں پہنچا۔"

بلال نے گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''ارے، کیا وہ بھی تمھاری دعوت میں آئے گا؟'' نثار حیرت بھرے انداز میں بولا۔

''ہاں، ماجد بھی آئے گا۔'' بلال پُرزور لہجے میں بولا۔

عین اسی لمحے ماجد ہاتھ میں ایک خوب صورت پیکٹ تھامے مرکزی دروازے سے اندر داخل ہوا۔ ماجد پر نظر پڑتے ہی بلال کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔

''بلال بھائی! تمھیں میری وجہ سے انتظار کی زحمت اُٹھانا پڑی، اس پر میں تہِ دِل سے معذرت چاہتا ہوں۔'' ماجد بلال سے بغل گیر ہوتے ہوئے بولا۔ ''میں گھر سے تو وقت پر نکلا تھا، لیکن راستے میں رش ہونے کی وجہ سے دیر ہوگئی۔''

''ماجد بھائی! دیر آید، درست آید۔'' بلال نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

......☆......

تقریب کے اختتام پر مہمان آہستہ آہستہ رخصت ہونے لگے۔ مہمانوں کے جانے کے بعد بلال نے کچھ مہمانوں کے لائے ہوئے تحفے کھولنا شروع کیے۔ کسی نے اسے کہانیوں کی کتابوں کا سیٹ تحفے میں دیا تھا۔ کسی نے اعلیٰ درجے کے کپڑے دیے تھے۔ کسی پیکٹ میں بہت نفیس لکھائی کرنے والے قلم موجود تھے۔ بلال نے ماجد کا دیا ہوا پیکٹ جان بوجھ کر سب سے آخر میں کھولا۔ اس کے اندر خوب صورت کاغذ میں کوئی چیز لپٹی ہوئی تھی۔ اس کے اوپر ایک لفافہ چسپاں تھا۔ بلال نے بے قراری سے لفافہ کھول کر اندر سے تحریر شدہ کاغذ نکال کر پڑھنا شروع کیا۔ لکھا تھا:

میرے پیارے دوست بلال!

السلام علیکم!

تحفے تحائف دینا سنتِ نبوی ﷺ ہے اور مسلمان کا دوسرے مسلمان کی دعوت کو قبول کرنا بھی سنت ہے، اسی لیے میں تمھاری دعوت میں شریک ہوا اور تحفہ بھی لایا اور یہ تحفہ تمھارے لیے ایسا تحفہ ہے جس کی کوئی قیمت ادا نہیں کی جاسکتی۔

پیارے دوست! آج 23، مارچ ہے۔ آج کے دن ہی ہمارے ملک پاکستان کی قرارداد منظور ہوئی تھی، جس کا منشور قرآن مجید تھا۔ اس کا مقصد صرف اور صرف یہ تھا کہ برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک ایسی اسلامی مملکت بن جائے جس میں اسلام کی حکم رانی ہو۔

میرے دوست! تم دیکھ رہے ہو کہ آج کا دن ہم سے کس چیز کا مطالبہ کر رہا ہے؟ آج جب کہ ہمارے ملک میں مغربی کلچر کی یلغار ہے اور ہماری نئی نسل بغیر سوچے سمجھے اہلِ مغرب کے مزموم مقاصد کی رو میں بہتی چلی جارہی ہے، اس لیے میں نے آج سے یہ عزم کیا ہے کہ قرآن مجید کو مضبوطی سے تھاموں گا اور میں امید کرتا ہوں کہ تم بھی اس معاملے میں میرا ساتھ دوگے، تا کہ ہم دونوں مل کر خود بھی قرآن مجید اور اسلامی تعلیمات پر عمل کریں اور اپنے دوستوں اور تعلق والوں کو اس بات پر اُبھاریں۔''

نیک تمناؤں کے ساتھ

تمھارا مخلص دوست

ماجد

تحریر پڑھنے کے بعد بلال نے خوب صورت پیکٹ کھولا۔ اس میں قرآن مجید موجود تھا۔ دنیا کا اَن مول اور عظیم تحفہ۔ بلال نے قرآن مجید کو سینے سے لگا لیا۔ بلال کو یوں لگا جیسے اسے دنیا کا سب سے قیمتی خزانہ مل گیا ہو۔ اسے ماجد کے تحفے کے سامنے باقی تحفے بہت حقیر محسوس ہو رہے تھے۔

سوال آدھا، جواب آدھا ۱۸ کے درست جواب

1. سورۂ ملک۔
2. قطب الدین ایبک نے (جو ہندوستان میں خاندانِ غلاماں کی حکومت کے بانی تھے)۔
3. 29۔
4. ترکی کے نامور امیر البحر (چیف آف دی نیول اسٹاف) ایڈمرل خیر الدین باربروسہ نے 1518ء میں بسایا تھا۔ یورپ کی بڑی بڑی بحری طاقتیں ان کے نام سے کانپتی تھیں!
5. بصرہ۔
6. یہ آلہ طیارے کی سطحِ زمین سے بلندی کی پیمائش کرتا ہے۔
7. بل فائٹنگ۔
8. تیز و تند ہوا کو کہا جاتا ہے۔
9. 8 فرلانگ (1760 گز)۔
10. مجرم کا سر منڈوا کر گدھے کی دم کی طرف منہ کر کے بٹھانا اور پھر پورے شہر میں گھمانا۔

ذوقِ معلومات (۶۲) کا درست جواب

☆ نیٹ بال

پلٹ آؤ، یہی اسلام کہتا ہے

ارسلان اللہ خان۔حیدرآباد

ہمیشہ مسکراؤ تم ، یہی اسلام کہتا ہے
کسی کو مت ستاؤ تم ، یہی اسلام کہتا ہے

اگر دنیا پرستی میں خدا سے دور جا پہنچے
پلٹ آؤ ، پلٹ آؤ ، یہی اسلام کہتا ہے

بڑوں سے اور چھوٹوں سے ،ضعیفوں سے ،غریبوں سے
محبت ہی سے پیش آؤ ، یہی اسلام کہتا ہے

خدا ہے ایک اور اُس کے پیمبر ہیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
یہی دنیا کو بتلاؤ ، یہی اسلام کہتا ہے

اگر اللہ دے توفیق ، اٹھو تم تہجد میں
عشا کے بعد سوجاؤ ، یہی اسلام کہتا ہے

جو ناجائز ہے کھانے میں ، اُسے ہرگز نہ کھاؤ تم
جو جائز ہے وہی کھاؤ ، یہی اسلام کہتا ہے

اگر یہ چاہتے ہو دل کی وحشت دور ہو جائے
تو مسجد میں چلے آؤ ، یہی اسلام کہتا ہے

کرو کردار کو اچھا ، گناہوں سے کرو توبہ
چلو تم نیک بن جاؤ ، یہی اسلام کہتا ہے

تکبر اور غصے سے بچو تم ارسلاںؔ دائم
حسد کے بت کو تم ڈھاؤ ، یہی اسلام کہتا ہے

ڈپٹ

محسن ابڑو حیدری۔ جام شورو

محلے کی جامع مسجد میں استقبالِ رمضان کے حوالے سے ایک نشست رکھی گئی تھی، جس میں روزے، اعتکاف اور تراویح وغیرہ کے مسائل پر گفتگو ہو رہی تھی۔

اس محفل میں اڑوس پڑوس کے بڑے چھوٹے بچے بھی موجود تھے۔ بڑے بچے تو غور سے امام صاحب کی باتیں سن رہے تھے، مگر چھوٹے بچے آپس میں باتیں وغیرہ کر رہے تھے، جس سے مسجد میں شور ہو رہا تھا۔ ان کی دیکھا دیکھی وہ بچے جو سنجیدگی سے امام صاحب کی باتیں سن رہے تھے، ان بچوں کے ساتھ شامل گئے۔ ظاہر ہے خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہی ہے۔

اب مسجد میں بچوں کا شور اتنا بڑھ چکا تھا کہ محفل پر اُس کا اثر ہو رہا تھا۔

نشست میں بیٹھے چاچا فضل نے بچوں کو بہت سخت طریقے سے ڈانٹا، جس سے بچوں میں ایک خوف سا پیدا ہو گیا، مگر بچے پھر بھی بچے ہی رہے۔ کچھ بچوں نے دوبارہ چہ مہ گوئیاں شروع کر دیں، جس پر چاچا فضل طیش میں آ گئے اور قریب بیٹھے ایک ننھے بچے کو زوردار تھپڑ رسید کر دیا، ان کی انگلیاں اس بچے کے رخسار پر چھپ گئیں۔

محفل پر ایک سناٹا سا چھا گیا۔

مگر پھر بھی بچوں نے چاچا فضل کی ایک نہ مانی اور اُن کی ڈانٹ ڈپٹ کا ذرا بھی احساس کیے بغیر اپنی شرارتیں جاری رکھیں۔

چاچا فضل نے ایک بار پھر کسی بچے پر اَپنا غصہ نکالنا چاہا تو قریب بیٹھے بلال صاحب نے چاچا کو ٹوکا:

''بابا جی! یہاں آپ کیا بچوں پر رُعب جھاڑنے آئے ہیں! یہی بچے صبح شام مسجد کا رُخ کرتے ہیں۔ ہمارے ساتھ مسجد کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے ہیں، مگر آپ چودھویں چاند کی طرح آج نازل کیا ہو گئے، آپ نے تو حد ہی کر دی۔''

اتنے میں امام صاحب نے بچوں کو پیار سے سمجھایا:

''بیٹا! اچھے بچے مسجد میں شور شرابا نہیں کرتے، آپ کو جو بھی باتیں کرنی ہیں وہ محفل کے بعد کر لیجیے گا۔ اب میں کسی بچے کا شور نہیں سنو، ٹھیک ہے۔''

امام صاحب کا یہ کہنا تھا کہ بچے بالکل خاموش ہو گئے اور شرکائے محفل نے دیکھا کہ بچوں کا یہ تسلسل اختتامِ محفل تک برقرار رہا۔

محفل کے بعد اِمام صاحب، نے بلال صاحب اور چاچا فضل کو روک لیا۔

سب کے چلے جانے کے بعد اِمام صاحب، بلال صاحب اور چاچا فضل کو حجرے میں لے گئے اور خادم سے چائے پانی لانے کا کہا۔

پھر بلال صاحب سے کہا:

بقیہ صفحہ نمبر 29 پر

سوال آدھا جواب آدھا ۱۸

الطاف حسین۔ کراچی

اس کھیل میں چند جملے ہیں، ہر جملہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں کچھ معلومات دی گئی ہیں، جب کہ دوسرے حصے میں اسی طرح کی معلومات آپ سے پوچھی گئی ہیں۔ آپ مطلوبہ معلومات ہمیں ۳۱، مارچ تک ارسال کر دیجیے، ہم آپ کو اس کا انعام روانہ کر دیں گے۔ ایک سے زیادہ درست جوابات موصول ہونے کی صورت میں قرعہ اندازی کے ذریعے تین قارئین کرام کو انعام سے نوازا جائے گا۔ کوپن پُر کر کے ساتھ بھیجنا نہ بھولیے گا۔

۱ قرآن مجید کی ''سورۂ یٰس'' کو ''قلب القرآن'' (قرآن کا دِل) بھی کہا جاتا ہے...... آپ یہ بتائیے کہ ''مصباح القرآن'' (قرآن کا چراغ) کس سورت کو کہتے ہیں؟

۲ تاریخِ اسلام میں پہلی اسلامی سلطنت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں قائم فرمائی تھی...... بتائیے برصغیر پاک و ہند (ہندوستان) میں پہلی باقاعدہ اسلامی حکومت کس نے قائم کی تھی؟

۳ مراکش کا شہر قیروان مشہور مسلمان سپہ سالار حضرت عقبہ بن نافع رحمۃ اللہ علیہ نے 662ء میں بسایا تھا...... بتائیے الجزائر کا شہر ''الجزیرہ'' کس نے آباد کیا تھا؟

۴ اردو زبان میں حروفِ تہجی کی تعداد 52 ہے...... بتائیے عربی زبان میں حروفِ تہجی کی تعداد کتنی ہے؟

۵ مشہور مسلمان طبیب، ماہرِ فلکیات و ریاضی دان حکیم بو علی سینا 940ء میں اُزبکستان کے شہر بخارا میں پیدا ہوئے تھے...... بتائیے مشہور مسلمان سائنس دان اور ماہرِ فلکیات و ریاضی دان ابنِ الہیثم 965ء میں عراق کے کون سے شہر میں پیدا ہوئے تھے؟

۶ ''اسپیڈومیٹر'' (SpeedoMeter) کی مدد سے گاڑیوں اور طیاروں کی رفتار معلوم کی جاتی ہے...... بتائیے ''الٹی میٹر'' (AltiMeter) کس کام آتا ہے؟

۷ پاکستان میں ''ہاکی'' کو قومی کھیل کا درجہ حاصل ہے...... بتائیے اسپین میں کس کھیل کو قومی کھیل کا درجہ حاصل ہے؟

۸ بہت گرم ہوا ''بادِ سموم'' کہلاتی ہے...... بتائیے ''بادِ صَرصَر'' کیسی ہوا کو کہتے ہیں؟

۹ 220 گز ایک فرلانگ کے برابر ہوتا ہے۔ اچھی طرح سوچ کر بتائیے کہ ایک میل کتنے فرلانگ کے برابر ہوگا؟

۱۰ ''اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے'' اردو زبان کی ایک مشہور ضرب المثل ہے، جس کا مطلب ہے: ''اپنے کرتوت پر شرمسار ہونے کے بجائے ٹوکنے والے پر غصہ کرنا''...... بتائیے ''اُلٹے گدھے پر چڑھانا'' کا کیا مطلب ہے؟

جنگل میں منگل

ڈاکٹر الماس روحی۔ کراچی

موسم گرما کی شدت سے تمام تالاب خشک تھے۔ پیاسی زمین بے چاری آسمان کا منہ تک رہی تھی۔ چرند پرند پیاس کے مارے منہ کھولے گرما گرم آسمان میں اڑ رہے تھے۔ تپتی زمین پر جانور پریشان چھاؤں کی تلاش میں درختوں کے نیچے پناہ لے رہے تھے۔ جنگل میں گھاس کا نشان تک نظر نہ آ رہا تھا۔ جنگل بالکل ویران سا دکھائی دے رہا تھا۔

''اگر بارش نہ ہوئی تو زندگی گزارنا مشکل ہو جائے گا۔'' پیاسے بھالو نے کہا۔

دور کھڑا گھوڑا بھوک سے ہلکان ہوتے ہوئے بولا:

''یہ تو خدا کی مرضی ہے۔ وہ خوش ہو کر مہربانی کرے گا تو بارش ہوگی۔''

''وہ کس طرح ہم سے خوش گا؟ ہمیں آپس میں لڑنے سے ہی فرصت نہیں ہے۔'' لومڑی نے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ جنگل کے تمام جانوروں کو جمع کیا جائے اور اُنھیں صلح دی جائے کہ آپس کے جھگڑے ختم کر دیں، مل جل کر رہیں اور پھر اپنے رب سے دعا کریں۔'' گھوڑے کی بات سن کر ہرن نے تائید میں اپنی چھوٹی سی دم ہلائی۔

دوسرے روز لومڑی نے سارے جانوروں کو جمع کرنے کی کوشش کی۔ ہاتھی، زرافہ، زیبرا، خرگوش، سب جانور منہ بنائے آئے۔ وہ ایک دوسرے سے خفا تھے۔ شیر بھوک پیاس سے نڈھال ان کے درمیان بیٹھا گھوڑے کی بات سن رہا تھا۔

''میرے پیارے دوستو! جنگل میں بہت فساد ہو چکا ہے۔ ہم نے اپنے ہی ساتھیوں کو نقصان پہنچایا اور نفرتیں پھیلائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض ہے۔ پانی نہ ہونے کی وجہ سے پورا جنگل سوکھ گیا ہے۔ ہر طرف ویرانی ہے۔ ہم اور ہمارے بچے، سب تکلیف میں ہیں۔''

''تو ہم سب کو کیا کرنا چاہیے؟'' زیبرے نے پوچھا۔

''مل جل کر رہنا ضروری ہے۔ ہمیں ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیے، تاکہ اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہو جائے۔''

گھوڑے کی بات سن کر جنگل کے سارے جانور خوشی خوشی ایک دوسرے سے گلے ملنے لگے، پھر سب نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ آخر اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آ گئی۔ آسمان پر کالے رنگ کے بادلوں نے دھاوا بول دیا۔ سورج بھی بادلوں کے پردے میں چھپ گیا۔ پہلے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آئے، پھر بوندا باندی شروع ہوگئی۔ جانوروں کی امیدیں بندھنے لگیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا، دعا قبول ہو گئی۔ اتنے میں بجلی چمکی، بادل گرجا اور موسلا دھار مینہ برسنے لگا۔

کچھ ہی دیر میں جنگل میں منگل کا سماں تھا۔ تمام جانوروں نے بارش میں خوب پانی پیا۔ درختوں، پھول پودوں میں پھر سے جان پڑ گئی۔ جنگل میں ہر طرف پرندے چہچہا رہے تھے۔ کوئل بھی کوک رہی تھی۔ سب جانور اللہ تعالیٰ کا شکر اَدا کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مزہ لے رہے تھے۔

جنگل کے بیمار جانور بھی صحت مند ہو گئے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی بارش جیسی نعمت پا کر بہت خوش تھے۔

الفاظ معنی:

جنگل میں منگل ہونا: خوب رونق ہونا۔

سماں: منظر۔

تپتی زمین: گرم زمین۔

ویران: اُجڑ جانا۔

موسلا دھار: لگاتار، مسلسل۔

مینہ: بارش۔

صلح: مشورہ۔

فساد: لڑائی۔

خفا: ناراض۔

چچ چچ چچ......!

مفتی محمد معاویہ اسماعیل۔ مخدوم پور

''السس سس سس......'' کہتے ہوئے اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور ہم ششدر رہ گئے۔

''کوئی بات نہیں، آپ نے ہاتھ ملا لیا اور دل میں ہی السلام علیکم کہہ دیا تو آپ کا سلام ہو گیا۔''

''نن نن نن......'' ایک بار پھر اُس کی آنکھیں بھر آئیں، مگر وہ آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ ہماری حیرت تھی کہ بڑھتی ہی جا رہی تھی کہ یہ کون ہے؟ خیر تو ہے، اسے کیا ہوا؟

......☆......

چند دن پہلے عصر کی نماز کے بعد معمول کے مطابق ہم کچھ دوست مل کر حالات حاضرہ پر گفتگو کر رہے تھے کہ اتنے میں اسلم آتا ہوا نظر آیا۔ وہ تھا تو ہمارا دوست ہی اور ہماری گپ شپ کی اس مجلس میں بھی شریک ہوتا تھا، مگر وہ ہمیشہ دیر سے آتا تھا۔ اس دن بھی وہ دیر سے ہی آیا۔ اس کے ساتھ ایک نوجوان لڑکا تھا۔ یہی کوئی بیس بائیس سال کا ہوگا۔ شکل وصورت اور وضع قطع سے وہ کافی سلجھا ہوا، تعلیم یافتہ اور سمجھ دار نوجوان لگ رہا تھا۔ اسلم نے اس کا تعارف کرواتے ہوئے بتایا کہ یہ ہمارے دادا کے گاؤں کے چودھری صاحب کا بیٹا ہے اور میرا بہت ہی اچھا دوست ہے۔ گزشتہ گرمیوں میں جب میں گاؤں گیا تھا تب میں نے اسے اپنے ہاں آنے کی دعوت دی تھی۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ گرمیوں میں تمھارے ہاں ضرور آؤں گا تو یہ کل ہی آیا ہے اپنے والد، یعنی چودھری صاحب کے ساتھ۔ ابھی جب میں تم لوگوں کے پاس آنے لگا تو اِس نے مجھ سے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟ میں نے اسے بتایا کہ میں اپنے دوستوں سے ملنے جا رہا ہوں تو کہنے لگا: 'چلو، میں بھی تمھارے ساتھ چلتا ہوں، آج میں بھی تمھارے دوستوں سے مل لوں گا۔''

''اچھا، یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔ ہمیں بھی تمھارے دوست سے مل کر خوشی ہوئی، بل کہ یہ اب ہمارا بھی دوست ہے۔''

''السس سس سس......'' عرفان نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہنے کی کوشش کی، مگر اِتنا کہتے ہی اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں، اس سے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکا، مگر وہ کمال مہارت سے اپنے آنسو چھپا گیا۔

''عرفان بھائی! آپ نے ہاتھ ملا لیا اور دل ہی میں السلام علیکم کہہ دیا تو آپ کا سلام ہو گیا، کیوں کہ آپ کو بولنے میں تکلیف ہو رہی ہے، اس لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔''

''نن نن نن......'' پھر اُس کی آنکھیں بھر آئیں اور اُس کے چہرے سے ایسا لگنے لگا جیسے کسی نے اس کا گلا دبا دِیا ہو۔ ہم سب دوست ایک دفعہ تو گھبرا گئے۔ سب کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں کہ خیر تو ہے، اسے کیا ہوا؟

اسلم نے ٹھنڈا سانس لیتے ہوئے ہمیں تسلی دی اور ہم سب ہونقوں کی طرح کبھی اسلم کو دیکھتے تو کبھی عرفان کو۔ تعجب سے ہمارے منہ کھلے ہوئے تھے۔ ہماری عقلیں حیران تھیں کہ اتنا خوب صورت، صحت مند، تعلیم یافتہ نوجوان اور اِس کی یہ حالت! یا اللہ خیر!

''اسلم بھائی! خیریت تو ہے؟ عرفان بھائی کو کیا ہوا؟ کیا مسئلہ ہے؟ اگر آپ بتانا پسند کریں تو......''

''نہیں یار عمار! تم رہنے دو، اس موضوع پر بات نہیں کرنی۔''

''چلو ٹھیک ہے۔ آپ سنائیں عرفان بھائی! کیسے ہیں آپ؟'' عمار نے

ماحول کو خوش گوار بنانے کے لیے موضوع ہی بدل دیا۔

''نن نن نن نہیں...... بب بب بب بتا ددد...... دددو۔''

''ٹھیک ہے، میں بتاتا ہوں، تم پریشان نہ ہو، حوصلہ رکھو۔'' اسلم نے عرفان کی بات سمجھتے ہوئے کہا اور ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے گویا ہوا:

''عرفان کے والد ہمارے دادا کے گاؤں ''مسلم نگر'' کے چودھری ہیں۔ وہاں کی اکثر زمین ان ہی کی ملکیت ہے۔ اکثر وہاں کے رہائشی لوگ ان کی زمینوں میں ویسے ہی رہتے ہیں، لیکن وہ زمین چوہدری صاحب کی ہی ملکیت ہے، ان رہنے والوں میں سے کسی کی ملکیت نہیں ہے۔

آج سے تقریباً پچیس برس پہلے کی بات ہے۔ مسلم نگر کے چودھری سلطان سراج، یعنی عرفان کے دادا کا انتقال ہوا تو چودھری حشمت سراج، یعنی عرفان کے والد کی عمر اُس وقت یہی کوئی تیس بتیس سال کے لگ بھگ تھی اور چوں کہ وہ بھائیوں میں بڑے تھے تو پنچایت کے فیصلے سے انھی کو باپ کا جانشین بنا کر گاؤں کا چودھری بنادِیا گیا۔ بڑے چودھری صاحب مرحوم کے تمام ملازمین اب چودھری حشمت سراج کے ملازم تھے۔ ان کے پاس ایک ملازم کام کرتا تھا، وہ ہکلاتا تھا۔ اس کی زبان میں اتنی ہکلاہٹ تھی کہ وہ بڑی مشقت سے کافی دیر بعد کوئی لفظ نکال پاتا تھا۔ اتفاقاً اس کے تینوں بیٹے بھی ایسے ہی تھے، بل کہ ان کی ہکلاہٹ اپنے باپ سے بھی زیادہ تھی۔

ایک دن وہی ملازم جسے سب سمیع بابا کہتے تھے، چودھری صاحب کی حویلی کے باہر اُنھی کی بکریاں چرا رہا تھا۔ اسی دوران میں چودھری صاحب نے اسے آواز دی:

''سمیع بابا! بات سنو!''

سمیع بابا نے جب چودھری صاحب کا بُلاوا سنا تو اُنھوں نے اپنے بیٹے حبان کو بلایا اور کہا:

''بیٹا! مجھے چودھری صاحب نے بلایا ہے، تم ذرا ان بکریوں کا خیال رکھو اور دھیان رکھنا، بکریاں کنویں کی طرف نہ جائیں۔''

سمیع بابا اپنے بیٹے کو بکریوں کا خیال کرنے کا کہہ کر جلدی سے صافے سے منہ صاف کرتے ہوئے چودھری صاحب کی حویلی کی طرف دوڑ پڑا۔ سمیع بابا اگرچہ حویلی کی دیوار کے ساتھ ہی بکریاں چرا رہا تھا، مگر حویلی کا دروازہ دوسری جانب تھا۔ حبان بکریاں چرانے لگا۔ وہ بچہ تھا۔ اس کی عمر یہی کوئی دس بارہ سال تھی۔ اس بچپنے کی عمر میں بچپنے جیسی ہی حرکتیں ہوتی ہیں۔ وہ کوئی سمجھ دار تو تھا نہیں، وہ وہیں کھیلنے میں مشغول ہو گیا۔ اسے پتا ہی نہیں چلا کہ بکریاں کب قریب میں موجود کنویں کے کنارے پہنچ گئیں، جہاں اچھی خاصی بہترین گھاس اگی ہوئی تھی۔ پورا کنواں گھاس سے اٹا ہوا تھا۔ اگر کسی کو اِس کنویں کا پتا نہ ہوتا اور وہ لاعلمی میں اس طرف چلا جاتا تو اُس کے کنویں میں گر جانے کا یقین تھا، کیوں کہ اس کا دہانہ تو نظر آتا ہی نہیں تھا۔ بکریاں کنویں کے قریب پہنچیں اور مزے سے گھاس چرنے لگیں۔ اچانک فضا بکریوں کے زور زور سے ممیانے کی آوازوں سے گونج اٹھی۔ حبان نے اس طرف دیکھا تو وقت گزر چکا تھا۔ تقریباً دس سے پندرہ بکریاں کنویں میں گر چکی تھیں اور اُن کا مرنا یقینی تھا، کیوں کہ ایک تو کنویں میں پانی تھا اور دوسرا کنواں بہت ہی گہرا تھا، مزید برآں اس میں آسانی سے اترنے کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔

چودھری صاحب کو جب اس افتاد کا پتا چلا تو وہ ننگے پیر ہی دوڑتے ہوئے آئے۔ سمیع بابا بھی ساتھ ساتھ دوڑتے ہوئے آیا، مگر وہ کیا کر سکتے تھے۔ خاصی مشکل سے ایک مزدور کو کنویں میں اتارا، مگر ہونی کو کون ٹال سکتا ہے۔ کنویں میں گرنے والی تمام بکریاں مر چکی تھیں۔ سمیع بابا کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا، اُدھر اُن کا بیٹا بھی بہت زیادہ خوف زدہ تھا۔

تمام بکریوں کے مرنے کا سُن کر چودھری صاحب آپے سے باہر ہو گئے اور چلائے:

'بابا! او بابا! ان بکریوں کی قیمت اب تیرا باپ بھرے گا کیا!؟ تُو پاگل ہے کیا! جو اِس چھوٹے سے بچے کے حوالے کر کے چلا گیا۔ اور تُو...... تُو گدھے! تیرا باپ جب تجھے کہہ کر گیا تھا کہ بکریوں کا خیال رکھنا تو تُو کیا کر رہا تھا؟'

'چچ چچ چچ...... چودھری صص صص صص......'

'ہاں ہاں، بس بس، تُو یہی چچ چچ تت تت اور چخ چخ لگائے رہنا اور میرا بیڑا غرق کر دینا۔ او ہکلے! ہکلے کی اولاد! تیرے اس ہکلے پن نے میرا تو بیڑا ہی غرق کر دیا ہے! ارے او بابا سمیع! کوئی تو سمجھ دار اور صحیح بولنے والا بچہ جنم دے دیتا، جو تیری کی ہوئی غلطیوں کو سدھارتا، مگر یہ کیسے ہوسکتا ہے! ہکلوں کے ہاں ہکلے ہی پیدا ہوتے ہیں۔'

چودھری صاحب کی زبان میرٹھ کی قینچی کی طرح چل رہی تھی اور کپڑوں کے بجائے دلوں کے ٹکڑے کر رہی تھی۔ بابا سمیع کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ چودھری صاحب کافی دیر تک جھک جھک کرتے رہے اور آخر میں فیصلہ سناتے ہوئے اپنے سیکورٹی گارڈ جیرے کو آواز دی، جو اُن کا بہت ہی

ظالم سیکورٹی گارڈ تھا:

’جیرے! او جیرے!؟‘

’جج جی جی...... چودھری صاحب!‘

’’ابھی اور اسی وقت جا کر اِن لوگوں کو اِن کے سامان سمیت شام سے پہلے پہلے بستی سے دربدر کردے، شام کو یہ مجھے بستی میں نظر نہ آئیں، ورنہ میں تیرے گھر کو آگ لگا دوں گا۔‘

’نن نن نہیں نہیں چچ چچ......‘

ہکلاہٹ زدہ زبان سے بابا سمیع نے معذرت کرنے اور گڑگڑانے کی کوشش کی، مگر اُس کی ہکلاہٹ نے اسے کچھ بھی نہ بولنے دیا اور اُس کے منہ نکلنے والے الفاظ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی شکل میں نکلنے لگے۔ سب بستی والے بابا سمیع کو ترس بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ایک ایک کر کے وہاں سے رخصت ہو گئے۔ کسی میں ہمت نہیں تھی کہ اس کی حمایت میں کچھ کہہ سکے۔ حمایت کا انجام ہر ایک جانتا تھا۔ چودھری صاحب فیصلہ کر کے جا چکے تھے۔

بابا سمیع نے تھکے ہارے قدموں سے اپنے بیٹے حبان کا ہاتھ پکڑا اور دل دہلا دینے والے جملے منہ سے نکالے، جنھیں صرف چودھری صاحب کی ایک نوکرانی سن سکی۔ اس کا دل یہ الفاظ سن کر دہل گیا:

’’یااللہ! مم مم میرا قق قق قصور تت تت تو نن نن نہیں تھ تھ تھا۔ یا اللہ! اسس چچ چچ چودھدرر ری کک کی نن نسل کک کو بھ بھ بھی اے اے سا کر دد دد دینا!‘‘

اس دعا نے آسمان کو ہلا کر رکھ دیا ہوگا۔

بابا سمیع اپنے بچوں کو لے کر لٹے پٹے انداز میں شام سے پہلے ہی بستی سے انجان سمت نکل گیا۔ اس کے بعد بابا سمیع کا کسی کو پتا نہ چل سکا اور نہ ہی کسی نے اس بات کا کوئی خاص نوٹس لیا۔ کچھ عرصے بعد چودھری حشمت سراج کی شادی ہوگئی۔ ان کے ہاں پہلے ہی سال یہ عرفان پیدا ہوا۔ بہت ہی خوشیاں منائی گئیں، صدقے کیے گئے، جانور ذبح کیے گئے۔ عرفان محبت اور پیار کی چھاؤں میں بڑا ہونے لگا۔

عرفان، چودھری صاحب کی آنکھوں کا تارا تھا، مگر جیسے ہی یہ بولنے کے قابل ہوا تو ہکلاتا تھا، اس کی زبان میں ہکلاہٹ تھی۔ ہر ایک یہ سمجھا کہ ابھی بچہ ہے، بڑا ہوگا تو زبان بھی صاف ہو جائے گی، مگر عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کی زبان میں اور زیادہ ہکلاہٹ آنے لگی۔ ہکلاہٹ تو شاید برداشت ہو جاتی، مگر سب سے زیادہ پریشان کن بات یہ تھی کہ عرفان کو بولنے میں ہکلاہٹ کے ساتھ ساتھ تکلیف اور درد بھی ہونے لگا۔ اگر یہ بولنے کی کوشش کرتا ہے تو اِسے اتنی تکلیف ہوتی جیسے کسی نے اس کا گلا دبا دِیا ہو۔

چودھری صاحب بہت ہی پریشان ہوئے۔ مختلف ڈاکٹروں کو چیک کروایا، مگر اُنھوں نے اسے قدرتی امر قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ ہماری سمجھ کے مطابق اسے کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کی زبان بالکل نارمل لوگوں کی طرح ہے اور ہلکی پھلکی دوائی دے دی ہے۔

عرفان کے بعد چودھری صاحب کے ہاں دو بیٹے اور تین بیٹیاں اور بھی پیدا ہوئے۔ وہ سب کے سب ہکلاہٹ زدہ ہیں۔

اب چودھری صاحب کو احساس ہوا ہے کہ یہ ان کی اپنی غلطی کی سزا ہے۔ یہ اس زیادتی کی سزا ہے جو اُنھوں نے بابا سمیع کے ساتھ کی تھی۔ اب وہ ہر جگہ بابا سمیع کو تلاش کر رہے ہیں، مگر اُن کا کوئی پتا نہیں کہ وہ کہاں ہیں۔ اب پتا نہیں چودھری صاحب کو ملنے والی یہ سزا کب تک برقرار رہے گی اور کتنی نسلوں تک چلے گی۔‘‘

کہتے کہتے اسلم کی آنکھوں سے بھی آنسو سیل رواں کی طرح بہنے لگے۔ ہم سب بھی اس صورتِ حال سے کافی افسردہ ہو گئے۔ ہمارے سامنے اللہ تعالیٰ کی پکڑ کا نمونہ موجود تھا۔ ہم دل ہی دل میں توبہ اور اِستغفار کرنے لگے۔ اتنے میں مغرب کی اذان ہونے لگی اور ہم سب بھیگی آنکھوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے بلاوے پر لبیک کہتے ہوئے مسجد کو چل دیے۔

قرآنی کوئز ۵ کے درست جوابات

1. ۲۸۶ آیات ہیں۔
2. عصر، کوثر، نصر۔
3. ۲۸۔
4. حشر۔
5. اعراف۔

خوش خبری

مقابلۂ خوش خطی ۶

طلبا و طالبات کے لیے انعامات جیتنے کے مواقع

بارہ مہینے بارہ انعامات

انعامات:

اول آنے پر 1000 روپے / دوم آنے پر 700 روپے

سوم آنے پر 500 روپے

مقابلے میں شریک ہونے کے لیے مندرجہ ذیل فن پارے کو لکھیے۔ جو قاری اس فن پارے کو عمدہ انداز میں لکھنے میں کام یاب ہوگیا، وہ انعام کا حق دار ہوگا۔

تو پھر دیر کس بات کی! اٹھایئے کاغذ اور قلم، کیجیے مشق......اور ہمیں جلد از جلد اِرسال کر دیجیے۔

مقابلے سے متعلق ضروری ہدایات:

☆ کمپیوٹر پیپر (A-4 سائز) صفحہ استعمال کیجیے۔

☆ فن پارے کو لکھنے کے لیے فونٹین پین، پنسل، کٹا ہوا پین اور کٹا ہوا مارکر استعمال کر سکتے ہیں۔

☆ کالی اور نیلی روشنائی استعمال کیجیے، کوئی اور رنگ بالکل استعمال نہ کیجیے۔

☆ صفحے کے چاروں جانب سے تقریباً ایک ایک اِنچ کا فاصلہ رکھ کر نمونہ تحریر کیجیے۔

زیرِ انتظام
شعبہ خوش خطی، البدر ہائر سیکنڈری اسکول

یٰسٓ

نوٹ: فن پارہ ۳۱ مارچ ۲۰۲۱ء تک ہمیں موصول ہو جانا چاہیے۔ ایک فن پارہ ایک طالب علم کی طرف سے قبول کیا جائے گا۔ کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا، جس پر اِعتراض قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ مقررہ تاریخ کے بعد وصول ہونے والے فن پارے مقابلے میں شریک نہیں کیے جاسکیں گے۔

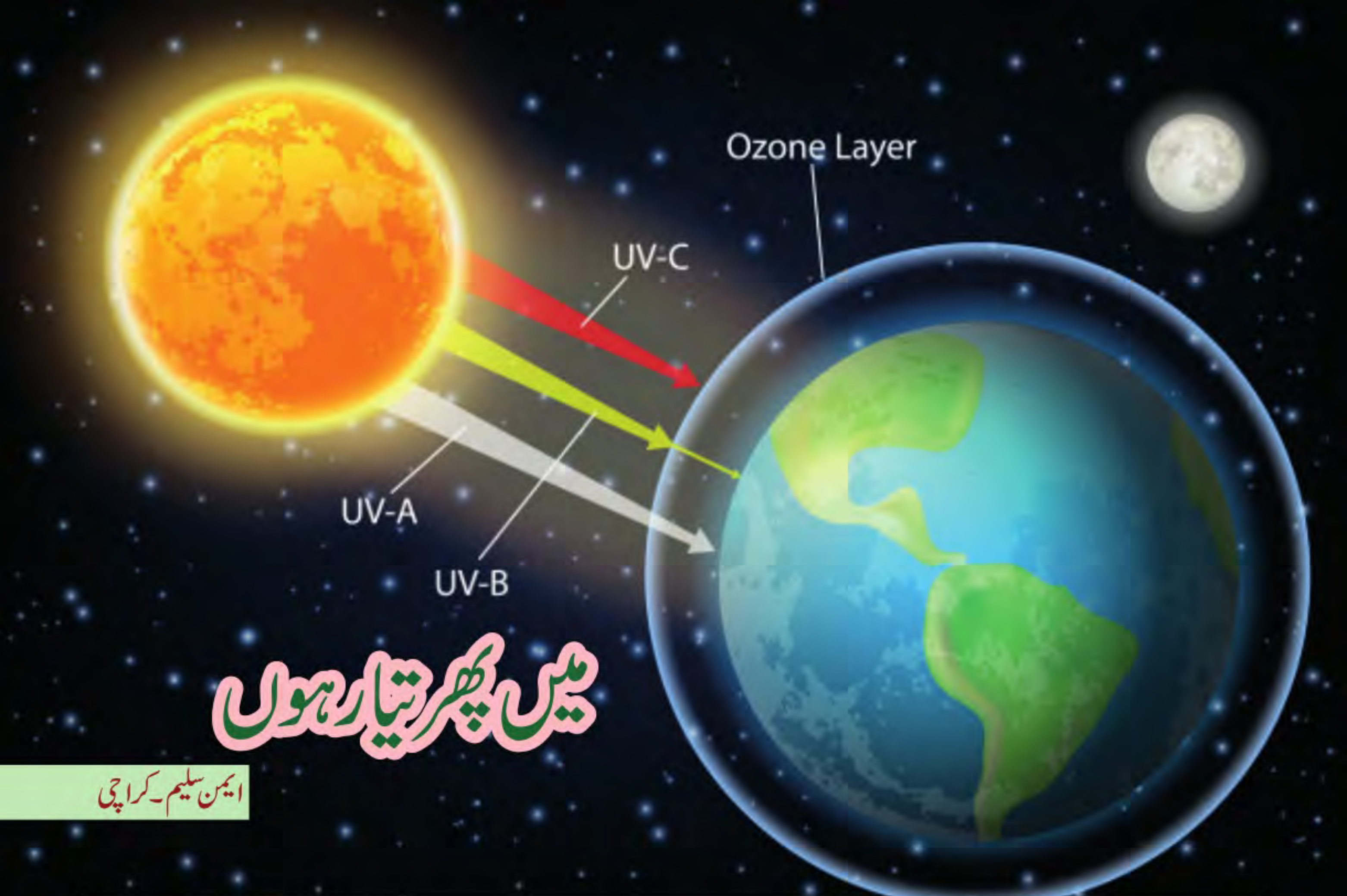

میں پھر تیار ہوں

ایمن سلیم۔ کراچی

میں زور زور سے رو رہی تھی، بل کہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی، مگر مجھے لگ رہا تھا کہ کوئی ایسا نہیں جو میری آواز سنے، کوئی ایسا نہیں جس تک میری چیخیں پہنچ رہی ہوں۔ آخر میں نے ایک فیصلہ کیا، اپنے آنسو پونچھے اور ایک عزم کے ساتھ میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

”میں اپنی آواز، اپنا دکھ سب تک پہنچاؤں گی۔“

یہ سوچ کر میں سب سے پہلے انسان کے پاس گئی، کیوں کہ مجھے تباہ و برباد کرنے میں سب سے زیادہ ہاتھ انسان کا ہی تھا، مگر اِتنی بے رخی، ایسا بے گانہ رویہ! اُفف......

مجھے تو اس کی اُمید نہیں تھی! میں جو اُسے کتنی ہی آفات سے، بچائے ہوئے تھی، میرے ساتھ انسان ایسا کرے گا، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

پھر میں نے سورج کے پاس جانے کی ٹھانی، اس کی تیز شعاعوں سے میں مزید جھلسنے لگی، اس کے قریب کیسے جاتی؟ کیسے ممکن تھا کہ میں اسے اپنی بات سمجھاتی۔ میں ناکام و نامراد پھر اِنسان کی دنیا کی طرف چل پڑی۔ اسے اپنے زخم دکھائے، میری جلد جگہ جگہ سے پھٹ گئی تھی اور اِس میں نقصان انسان کی دنیا کا ہی تھا، مگر وہ نہیں سمجھا۔ آخر میں نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی۔

سب سے پہلے مجھے اللہ تعالیٰ کے پاس ہی جانا چاہیے تھا۔ میں نے غلطی کی تھی، میں پتا نہیں کیوں بھٹک گئی تھی!

اللہ تعالیٰ واقعی بہت رحیم اور کریم ہے! اس نے انسان کو بتادیا کہ سب اس کے ہاتھ میں ہے۔ اس نے وہ فیکٹریاں بند کروادیں جن کا دھواں مجھے نقصان پہنچارہا تھا، پھر ڈیزل اور پیٹرول کے خطرناک دھوئیں اور بدبو سے مجھے نجات دلائی، کیمیکل والی تمام کثافتوں کو بند کرادیا۔

اب میں خوش ہوں، میرے زخم بھر رہے ہیں، میں بہت چین اور سکون میں ہوں۔ انسان اسے لاک ڈاؤن کہتا ہے، مگر میرے لیے تو یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، اس اللہ تعالیٰ کی رحمت، جس نے بہت پیار سے مجھے اور اِس دنیا کو بنایا ہے۔

اوہو آپ مجھے پہچانے نہیں؟

میں اوزون کی سطح ہوں، جس میں کافی بڑا سوراخ ہوگیا تھا، مگر اَب اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، بس وہ بند ہونے ہی والا ہے۔

لیکن پلیز! اب دوبارہ اس فضا کو گندہ نہیں کیجیے گا، ورنہ میں دوبارہ زخمی ہوجاؤں گی۔

تاریخی جھلکیاں

موت کس کے ہاتھ میں ہے؟

محمد حذیفہ رفیق زم زمی۔ کراچی

سلیمان بن عبدالملک کے انتقال کے بعد اُس کی وصیت کے مطابق صفر ۹۹ھ میں عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے خلافت سنبھالی۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے خلافت سنبھالتے ہی بہت سی سرکاری بدعنوانیوں کو ختم کیا، جن میں سے ایک کام یہ بھی کیا کہ سلیمان بن عبدالملک نے جن بے گناہ لوگوں کو جیل میں بند کر رکھا تھا ان سب کو رہا کرنے کا حکم جاری کیا۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مصاحبِ خاص محمد بن یزید انصاری کو حکم دیا کہ سلیمان بن عبدالملک نے جن لوگوں کو قید کیا تھا ان سب کو آزاد کر دو، سوائے ایک شخص کے، اس کا نام تھا: یزید بن ابی مسلم۔

یزید بن ابی مسلم، چھوٹے قد اور موٹے جسم کا بدصورت اور بدسیرت شخص تھا۔ وہ حجاج بن یوسف کا وزیر اور خاص کاتب تھا اور حجاج ہی کی طرح ظالم اور سفاک تھا۔ حجاج کے مرنے کے بعد خلیفہ وقت ولید بن عبدالملک نے اسی کو حجاج کی جگہ عراق کا گورنر بنایا تھا، لیکن حجاج کے مرنے کے چار ماہ بعد ہی خلیفہ ولید کا بھی انتقال ہو گیا اور خلافت کی باگ ڈور سلیمان بن عبدالملک نے سنبھال لی۔

سلیمان بن عبدالملک کو حجاج سے سخت دشمنی اور شدید بغض تھا، لیکن حجاج تو اُس کے خلیفہ بننے سے چار ماہ پہلے ہی مر چکا تھا، اس لیے وہ حجاج کے ساتھ تو کچھ نہ کر سکا، لیکن حجاج سے وابستہ بہت سے لوگوں کو اُس نے انتقام کے جوش میں سزائیں دی تھیں۔ کچھ کو جیل میں ڈلوا دیا اور کچھ کو قتل بھی کروایا۔ چوں کہ یہ کارروائی انتقام کے جذبے کے تحت تھی، اس لیے کچھ اچھے لوگ بھی اس کے لپیٹ میں آئے تھے، اسی لیے بعد میں عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے لوگوں کو جیل سے آزاد کر دیا تھا۔

سلیمان بن عبدالملک نے جن لوگوں کو جیل میں ڈالا تھا ان میں سے ایک یزید بن ابی مسلم بھی تھا۔ اسے جیل میں رکھنے کا مشورہ بھی عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ہی دیا تھا۔ اس کی وجہ یہ بنی تھی کہ سلیمان بن عبدالملک نے اسے قید تو کر دیا تھا، لیکن وہ اپنے کردار کی خرابیوں کے باوجود سیاسی معاملات میں بہت اچھی سمجھ بوجھ رکھتا تھا، اس لیے سلیمان نے ارادہ کیا تھا کہ اسے دوبارہ وزیر بنا دیا جائے، لیکن عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے سلیمان بن عبدالملک سے کہا:

''میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ حجاج کے کردار کی یادوں کو دوبارہ تازہ نہ ہونے دیں۔''

سلیمان بن عبدالملک نے کہا:

''میں نے اپنے طور پر خوب تحقیق کروائی ہے۔ مجھے اس شخص میں کسی قسم کی خیانت کا کوئی عنصر نہیں ملا۔'' عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جوش میں آ گئے اور فرمایا:

''یہ مالی معاملات میں ابلیس شیطان سے بھی بڑا خیانت دار ہے، نجانے کتنی مخلوق کو یہ شخص (بلا جرم) موت کے گھاٹ اتار چکا ہے!''

چناں چہ سلیمان نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔

(تاریخ الإسلام ۷/۲۸۲، دار الکتاب العربیۃ)

محمد بن یزید نے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا حکم پا کر ایسا ہی کیا۔ تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا اور یزید بن ابی مسلم کو قید میں ہی رہنے دیا۔ یزید بن ابی مسلم نے اس وقت پکا عزم کر لیا کہ میں محمد بن یزید کی گردن اڑاؤں گا۔

وقت گزرتا گیا۔

تقریباً دو سال بعد رجب ۱۰۱ھ میں امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا۔ ان کے بعد یزید بن عبدالملک خلیفہ بنا۔ سلیمان بن عبدالملک نے اپنی زندگی میں ہی یہ وصیت کی تھی کہ میرے بعد عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ بنیں گے اور اُن کے بعد یزید بن عبدالملک۔

یزید بن عبدالملک نے یزید بن ابی مسلم کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے

جیل سے آزاد کر کے افریقی ممالک کا گورنر بنادیا۔ یزید بن ابی مسلم کے جاتے ہی وہاں کی عوام اس سے بے زار ہوگئی، لیکن حکومت کے آگے وہ لوگ بے بس تھے۔

یزید کو گورنر بنے ہوئے تقریباً ایک سال اور دو ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا۔ ۱۰۲ھ کے ماہِ رمضان میں ایک روز غروب آفتاب کے وقت عین اس وقت جب وہ روزہ کھول رہا تھا، اس کی خفیہ فورس نے آکر اُسے ایک خوش خبری سنائی، جسے سن کر وہ اچھل پڑا۔ ایک زمانے سے وہ جس شخص کی تلاش میں تھا آج اس کا کھوج لگایا جاچکا تھا۔ اس نے محمد بن یزید کو اپنے سامنے لانے کا حکم دیا۔

جی ہاں! یہ وہی محمد بن یزید تھا جو آج سے کچھ عرصہ قبل عمر عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر اُسے جیل کے سلاخوں کے پیچھے چھوڑ کر جا رہا تھا، وہی محمد بن یزید آج مجرم کی حیثیت سے ہتھکڑیوں سے بندھے ہاتھوں کے ساتھ یزید بن ابی مسلم کے سامنے کھڑا تھا۔

محمد بن یزید افریقہ میں روپوش تھا، لیکن بالآخر یزید نے اسے تلاش کروالیا۔ یزید نے کچھ لمحوں تک اسے گھور کر دیکھا۔ افطاری کا وقت تھا۔ یزید کے ہاتھ میں انگور کا ایک خوشہ تھا۔ یزید نے محمد بن یزید سے گفتگو شروع کی:

یزید بن ابی مسلم: ''اے محمد بن یزید!''

محمد بن یزید: ''کہو، کیا کہتے ہو!''

یزید بن ابی مسلم: ''خدا کی قسم! ایک عرصے سے میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہا تھا کہ کسی طرح تُو میرے ہاتھ آجائے اور میرے اور تیرے درمیان نہ کوئی معاہدہ ہو اور نہ کوئی وعدہ ہو۔''

محمد بن یزید: ''خدا کی قسم! میں بھی لمبے عرصے سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہا تھا کہ وہ مجھے تجھ سے بچالے اور پناہ عطا کرے!''

یزید بن ابی مسلم: ''خدا کی قسم! نہ اللہ نے تجھے بچایا اور نہ ہی پناہ دی۔ اگر موت کا فرشتہ بھی تیری روح لینے کے لیے آئے گا تو میں اس سے بھی آگے بڑھ کر تیری روح قبض کروں گا۔'' یہ کہہ کر اُس نے انگور کا خوشہ نیچے رکھ دیا اور جوش میں آکر کہا:

''اللہ کی قسم! میں اس وقت تک یہ خوشہ نہیں کھاؤں گا جب تک تیری گردن نہ اُڑا دوں۔''

اسی وقت نماز کے لیے اقامت شروع ہوگئی۔ یزید نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھ گیا۔ اسلامی خلافت میں سربراہوں کا یہ دستور تھا کہ نمازوں کی امامت وقت کا خلیفہ، حاکم، گورنر، قاضی (جج) یا ان کو کوئی نائب ہی کرواتا تھا۔

نماز شروع ہوگئی۔ یزید نے قراءت کے بعد رکوع کیا۔ اچانک ایک شور سا بلند ہوا۔ سال بھر سے پکتا ہوا لاوا آج اچانک ابل پڑا تھا۔ فوج یزید کے خلاف بغاوت کی تیاریاں پوری کر چکی تھی۔ یزید کے رکوع میں جاتے ہی بجلی کی تیزی سے وار ہوا۔ ایک ہی وار نے یزید بن ابی مسلم کا سر تن سے جدا کر دیا۔

(سیرۃ عمر بن عبد العزیز)

باغیوں نے اسی وقت محمد بن یزید کو قید سے آزاد کر دیا۔ چند لمحے قبل جو موت کو اپنے سر پر منڈلاتے ہوئے دیکھ رہا تھا، اسے زندگی کی نئی سانسیں ملیں اور جو حکومت اور اقتدار کے نشے میں دندناتا پھر رہا تھا، اس کی زندگی کا چراغ گل ہوگیا! یقیناً موت اور زندگی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہے زندگی بخشے اور وہی جسے چاہے اپنے پاس بلالے!

اندلس (اسپین) کے ایک مؤرخ محمد بن الولید ابوبکر طرطوشی اس قصے کو نقل کر کے عجیب ایمان افروز جملہ لکھتے ہیں:

''پاک ہے وہ ذات جس نے حاکم کو ہلاک کیا اور قیدی کو زندگی بخشی، اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نمونے ہیں، کبھی موت کے منہ میں زندگی کا سامان پیدا فرماتے ہیں اور کبھی زندگی کے نقشوں میں موت کو برپا فرما دیتے ہیں۔''

بعض روایات میں ہے کہ اس کے بعد افریقہ کی عوام اور فوج نے محمد بن یزید کو ہی اپنا حاکم بنالیا۔ یزید بن عبدالملک کو دارالخلافت شام میں اس کی اطلاع دی گئی تو اُس نے بھی اہلِ افریقہ کے اس فیصلے کو منظور کرلیا اور یوں کچھ دیر پہلے کا بادشاہ کچھ دیر بعد تہ تیغ ہوا اور چند لمحے پیش تر کا ذلیل قیدی مختصر عرصے کے بعد معزز حاکم قرار پایا۔

صرف یہ ایک قصہ نہیں، پوری تاریخ ہی یہ سبق دیتی ہے کہ دنیا کی عزت اور ذلت کو کوئی ثبات نہیں، یہاں کی حکومت و سلطنت کو لمحے بھر کا بھی قرار نہیں۔ اس جہان فانی کی بلندیاں اور پستیاں انتہائی ناپائے دار ہیں۔ کامیاب تو وہ ہے، سچی عزت والا تو وہ ہے، بلندی کی چوٹیوں کو چھونے والا تو وہ ہے جس نے اپنے رب کو راضی کیا اور جنت کا حق دار قرار پایا!

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضامندی والے اور جنت تک پہنچنے والے اعمال، افعال اور اَقوال کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

(ماخوذ از:

تاریخ الإسلام: ۷/۲۵۵، دار الکتاب العربی

تاریخ خلیفۃ بن خیاط: ۱/۳۲۶، دار القلم

سراج الملوک: ۱/۱۶۴، من أوائل المطبوعات العربیۃ، مصر)

انسان یا مسلمان؟

روبینہ عبدالقدیر۔ کراچی

زوردار طمانچے کی آواز پوری راہداری میں گونج اٹھی تھی۔ چلتے قدم تھم سے گئے تھے۔ قہقہے لگاتی لڑکیاں منہ کھولے ساکت رہ گئی تھیں۔ بیک وقت سب نے اپنا رُخ اس طرف موڑا جہاں سے آواز آئی تھی۔ میراث کے ہاتھ میں پکڑی بوتل سے پانی چھلک گیا تھا۔

’’تمھاری ہمت کیسے ہوئی میری بوتل سے پانی پینے کی؟ تم نے میری بوتل ناپاک کردی، مجھے گھن آرہی ہے۔‘‘ مریم سامنے کھڑی میراث پر گرج رہی تھی۔

’’سوری مریم! مجھے نہیں پتا تھا کہ تمھیں اتنا بُرا لگے گا۔ سب بغیر پوچھے تمھاری چیزیں استعمال کرتے ہیں، لیکن تم نے کبھی بُرا نہیں منایا، اسی لیے مجھے غلط فہمی ہوگئی کہ تمھیں میرا تمھاری چیز استعمال کرنا بھی بُرا نہیں لگے گا۔‘‘ وہ تھپڑ بھلائے شرمندگی سے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے اس سے معذرت کررہی تھی۔

’’جانے بھی دو یار! وہ بے چاری سوری بول رہی ہے نا، بس اب چلو یہاں سے۔‘‘ کشف نے اردگرد کھڑی طالبات کے جمِ غفیر کو دیکھتے ہوئے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ وقفہ تھا، اس لیے سب طالبات کلاس کے بجائے باہر تھیں۔

’’ارے ایسے کیسے چھوڑ دوں؟ اس نے بغیر اِجازت میری چیز اِستعمال کرکے اسے ناپاک کردیا ہے۔ میں تو اَب کبھی اس بوتل کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گی۔‘‘

اس نے نئی نکور مہنگی بوتل، جو کل ہی اس کے چاچو نے دبئی سے بھیجی تھی، میراث کے ہاتھ سے چھین کر کوڑے دان میں ڈالتے ہوئے نفرت سے کہا۔

سب لڑکیوں نے تعجب سے اسے دیکھا۔

مریم جیسی سخی اور تمیزدار لڑکی کا میراث کے ساتھ ایسا سلوک دیکھ کر سب حیران تھیں۔

’’چلو میں ہاتھ دھولوں، میرے ہاتھ بھی ناپاک ہوگئے ہیں۔‘‘ مریم نے ہاتھوں کو ناگواری سے جھٹکتے ہوئے کہا۔ خفت کے مارے میراث کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ وہ روتے ہوئے کلاس کی جانب دوڑی۔ پیچھے سے مریم نے اسے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ کشف بمشکل اسے کھینچ کر وہاں سے لے گئی، ورنہ اگر کوئی استانی دیکھ لیتیں تو معاملہ پرنسپل صاحبہ تک پہنچ جاتا۔

......☆......

میراث کے دل پر گہری چوٹ لگی تھی۔ مریم اور میراث، دونوں ساتویں جماعت کی طالبہ تھیں۔ میراث کو اِسکول میں داخلہ لیے چند ماہ ہی ہوئے تھے۔ مریم سمیت سب جلد ہی اس کی دوست بن گئی تھیں، لیکن کچھ دنوں سے وہ مریم کا تلخ رویہ محسوس کررہی تھی۔ وہ سب کے ساتھ بہت اچھے طریقے سے بات کرتی تھی، لیکن جب میراث کوئی بات پوچھتی تو وہ یا تو اُسے نظرانداز کردیتی یا پھر تلخ جواب دیتی۔ وہ اس رویے کے پیچھے چھپی اصل وجہ جاننے سے قاصر تھی۔

......☆......

وہ خاموشی سے آنکھیں موندے بیٹھی تھی۔ وین میں اے سی لگا ہوا تھا، جس کی وجہ سے گرمی میں بھی قدرے سکون مل رہا تھا۔

’’آج تمھیں کیا ہوگیا تھا؟ تم سب کو اپنی چیز اِستعمال کرنے دیتی ہو تو پھر میراث کے محض تمھاری بوتل سے پانی پینے پر اتنا شدید ردِّعمل میری سمجھ سے تو باہر ہی ہے۔‘‘ کشف نے اسے بازو سے ہلاتے ہوئے پوچھا۔

’’بس اس کے پیچھے ایک وجہ ہے اور مجھے میراث سے بہت نفرت ہے، بل کہ میراث جیسے ہر اِنسان سے نفرت ہے۔ مجھے ایسے لوگوں سے گھن آتی ہے۔‘‘ کشف کے ہلانے پر وہ چونکی اور اِنتہائی غصے سے بولی۔

’’مریم! ٹھنڈی ہوکر بتاؤ کہ آخر ایسی کیا برائی ہے اس میں جو تمھیں اتنی

نفرت ہے اس سے؟'' کشف نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے گویا اس کا غصہ دبانے کی سعی کی۔ اس سے پہلے کہ مریم کوئی جواب دیتی اس کا گھر آ گیا، وہ سلام کرتے ہوئے وین سے اتر گئی اور وین میں بیٹھی کشف کو اَن گنت سوالات کے بیچ الجھا چھوڑ گئی۔

......☆......

''مما! اس نے مجھے سب کے سامنے تھپڑ مارا اور بہت بے عزتی کی۔ میں نے بس تھوڑا سا پانی ہی پیا تھا، لیکن اس نے کہا کہ میں نے اس کی بوتل ناپاک کر دی ہے اور اپنی صاف ستھری بوتل ڈسٹ بن میں پھینک دی۔ پتا نہیں وہ مجھ سے اتنی نفرت کیوں کرتی ہے۔''

میراث اپنی والدہ کی گود میں سر رکھے روتے ہوئے بتا رہی تھی۔ وہ دل کی بہت حساس تھی۔ آج کے واقعے نے اس کے دماغ پر گہرا اثر ڈالا تھا۔

''لیکن بیٹے! آپ تو مریم کی بہت تعریف کرتی ہو۔'' مسز مارگریٹ نے تعجب سے پوچھا۔

''جی مما! لیکن دن بدن اس کا رویہ میرے ساتھ بہت بُرا ہوتا جا رہا ہے۔ مجھے لگتا ہے، شاید مسلمان ہم سے نفرت کرتے ہیں۔'' وہ دکھ سے بولی۔

''میں تمھیں اسی لیے کہتی ہوں کہ ان مسلمانوں سے دور رہا کرو، لیکن تمھیں مسلم لڑکیوں سے ہی دوستی کرنی ہوتی ہے۔'' مسز مارگریٹ نے غصے سے کہا۔

''لیکن مما! نفرت کرنے کی وجہ؟ وہ شروع میں تو میرے ساتھ اچھی ہی تھی۔'' میراث نے منہ بسورا۔

''یہی وجہ ہے کہ اگر مجبوری نہ ہوتی تو میں تمھیں کبھی مسلمانوں کے اسکول میں نہ بھیجتی۔'' وہ شدید غصے میں تھیں۔

''مما! جو بھی تھا، میں نے سوری بھی تو کیا تھا۔ وہ مجھے معاف نہ بھی کرتی، لیکن اتنی نفرت سے بوتل پھینکنا اور مجھے ناپاک اور پلید کہنا، کیا یہ سب ٹھیک تھا؟'' وہ کسی صورت مان نہیں رہی تھی۔

''بیٹا! آپ اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ وقت کے ساتھ ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ اس کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے بولیں، لیکن اندر ہی اندر انھیں بھی بہت دکھ ہوا تھا کہ ایک لڑکی نے ان کی لاڈلی بیٹی سے اتنی نفرت کا مظاہرہ کیا۔ وہ گہری سوچ میں گم گئیں۔

......☆......

''تم مسلمان ہو، تمھیں اپنے مسلمان ہونے پر فخر ہے، لیکن میری پیاری دوست! کیا تم جانتی ہو، ہمارا اِسلام ہمیں گناہ سے نفرت کرنے کا حکم دیتا ہے، گناہ گار سے نہیں۔'' پوری بات سن کر کشف نے ماتھے پر ہاتھ مار کر گویا اس کی عقل پر ماتم کرتے ہوئے کہا۔

''لیکن کشف! میراث عیسائی ہے۔ جب سے مجھے یہ بات پتا چلی ہے مجھے اس سے گھن آنے لگ گئی ہے۔ اسے دیکھ کر میرا دل خراب ہوتا ہے۔ اور تم نے دیکھا نہیں، اس کے چہرے پر کتنی نحوست ہوتی ہے۔ افففف! میرا تو دم گھٹتا ہے یار!'' وہ نخوت سے منہ بنا کر بولی۔

''یہ تم کیا بول رہی ہو؟ کیا تم آپ ﷺ سے زیادہ نیک اور مومن ہو؟ آپ ﷺ تو اِتنے بااخلاق تھے کہ کافر کو پاس بٹھا کر ساتھ کھانا کھلاتے، جانی دشمن کے ساتھ محبت سے پیش آتے۔ اگر کسی غیر مسلم سے نفرت کرنا درست ہوتا تو آپ ﷺ مشرکین مکہ کو فتح مکہ کے موقع پر کبھی معاف نہیں کرتے، بل کہ اپنے اوپر کیے جانے والے ہر ظلم کا بدلہ لیتے۔

ہم غیر مسلموں کے لیے ہدایت کی دعا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے اچھے اخلاق سے ان کا دل جیت سکتے ہیں۔ ایسے بُرے رویے سے تو تم انھیں اسلام سے مزید متنفر کر رہی ہو۔ ہمیں تو اپنے نبی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے غیر مسلموں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنا چاہیے، تاکہ وہ اسلام کی طرف راغب ہوں۔'' کشف نے پوری تقریر ہی کر دی تھی۔ غور سے اس کی بات سنتی مریم کے دل پر اُس کی باتیں گہرا اثر کر رہی تھیں۔

''تو پھر اَب میں کیا کروں؟ میں نے تو بہت بُرا سلوک کیا ہے اس کے ساتھ، وہ کیا سوچ رہی ہوگی میرے بارے میں؟'' مریم شرمندگی سے بولی۔

''تم اس سے معافی مانگ لو، ان شاءاللہ وہ تمھیں معاف کر دے گی۔'' کشف کے نیک مشورے پر وہ فوراً میراث سے معافی مانگنے کے لیے دوڑی۔

''میراث! مجھے معاف کر دو۔ میں نے اس دن راہداری میں سب کے سامنے تمھاری بے عزتی کی تھی نا! اس لیے اب میں یہاں سب کے سامنے تم سے معافی مانگتی ہوں۔'' مریم نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

''کوئی بات نہیں، تم مجھے شرمندہ مت کرو، میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔ بس تم مجھے وجہ تو بتا دو کہ تم مجھ سے نفرت کیوں کرتی تھیں؟''

اس کے معافی مانگنے پر میراث نے حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ معاف کرتے ہوئے سوال کیا۔

راہداری میں لڑکیاں حیرت سے دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔

بقیہ صفحہ نمبر 51 پر

کیری

سعد علی چھیپا۔کراچی

کچے آم کو کیری بھی کہا جاتا ہے۔ پکے میٹھے آم ایک لذیذ، صحت منداور دنیا میں بہت زیادہ کھایا جانے والا پھل ہے، مگر کچا آم بھی صحت کے لیے بہت مفید ہے اور یہ بھی اپنے اندر بے شمار غذائی اور دوائی اثرات رکھتا ہے۔

یہ موسم گرما میں ہوتی ہے۔لوگ گرمیوں میں اسے شوق سے کھاتے ہیں۔اس کا اچار بھی تیار کیا جاتا ہے اور اس کا مربا بھی بنایا جاتا ہے۔کیری کا شربت بھی شوق سے پیا جاتا ہے۔کیری کا شربت صرف فرحت بخش ہی نہیں، بل کہ یہ شدید گرمی کے اثرات کو کم کرکے ڈی ہائیڈریشن کی روک تھام کرتا ہے۔

کیری عام طور پر ہرے رنگ کی ہوتی ہے، تاہم یہ جامنی اور لال رنگوں کی بھی ہوتی ہے۔اس کے درمیان ایک گٹھلی ہوتی ہے۔

کیری کھانے کا اپنا مزہ تو ہے ہی، اس کے طبی فوائد بھی بہت زیادہ ہیں۔

کیری کے فوائد:

طبی ماہرین کے مطابق آم کی نسبت کیری میں وٹامن سی، بی۔ون اور بی۔ٹو زیادہ پایا جاتا ہے۔

کیری نہ صرف خون پیدا کرنے والا قدرتی ٹانک ہے، بل کہ گوشت بھی بناتی ہے اور نشاستائی اجزا کے علاوہ فاسفورس، کیلشیم، فولاد، پوٹاشیم اور گلوکوز بھی رکھتی ہے، اسی لیے دل، دماغ اور جگر کے ساتھ ساتھ سینے اور پھیپھڑوں کے لیے بھی مفید ہے۔

کیری میں موجود وٹامن سی خون کی نالیوں کو زیادہ لچک دار بناتا ہے۔

کیری میں شدید گرمی کے اثرات اور لُو سے بچانے کی قدرتی صلاحیت ہوتی ہے۔

کیری پر نمک لگا کر کھانے سے پیاس کی شدت کم ہوجاتی ہے، جب کہ پسینے کی وجہ سے جسم میں پیدا ہونے والی نمک کی کمی بھی اس کے ذریعے پوری ہوجاتی ہے۔

کیری میں تپ دق، انیمیا اور پیچش سے بچاؤ کے لیے جسم کی مزاحمتی صلاحیت کو طاقت ور بنانے کی بھی صلاحیت پائی جاتی ہے اور یہ جگر کو صحت مند بناتی ہے۔

کیری کا استعمال معدے کے عوارض سے بچاؤ میں مدد دیتا ہے، جو موسم گرما میں کافی عام ہوجاتے ہیں۔کیری کھانے کی عادت قبض، ہیضے، سینے کی جلن اور متلی کی کیفیت اور بدہضمی سے تحفظ اور ان کا اچھا علاج ثابت ہوتی ہے۔

یہ نظام ہضم کو فعال بنانے کے ساتھ جسم سے فاضل مادے خارج کرنے میں معاون ہوتی ہے۔

کیری میں نیاسن نامی ایسڈ ہوتا ہے جو دل کے لیے صحت بخش ہے۔نیاسن خون کی شریانوں کے مسائل سے جڑے امراض کا خطرہ کم کرتا ہے، جب کہ بلڈ کولیسٹرول لیول کو بھی بہتر کرتا ہے۔

کیری آنتوں کی خرابی کی شکایت رفع کرتی ہے۔اسے کھانے سے اسہال، پیچش اور قبض کے امراض سے نجات رہتی ہے۔

کیری کے استعمال سے لُو کے اثرات سے بچاتا ہے، البتہ ایسے لوگ جنھیں نزلہ، زکام اور کھانسی ہو اُنھیں یہ ہرگز استعمال نہیں کرنی چاہیے۔

تمام قارئین کرام سے مؤدبانہ عرض ہے کہ کسی بھی سبزی کے فوائد پڑھ کر اسے زیادہ نہ کھائیں، بل کہ اس کا استعمال اعتدال سے کریں اور اگر آپ کو کوئی خاص بیماری ہے تو اپنے ڈاکٹر سے مشورہ کرکے کوئی بھی سبزی استعمال کریں۔

بھید

قرۃ العین ہاشمی۔لاہور

''مبین! ذکی کو نیچے گرادو۔''

بارہ سال کے ساجد نے جوش سے چیختے ہوئے کہا۔ مبین دس سال کا اور ذکی چھے سال کا تھا۔

''میں امی کو بتاؤں گا۔''

ذکی نے ڈرتے ہوئے کہا۔ مبین نے چھوٹے بھائی کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اُسے اُوپر اُٹھایا ہوا تھا۔ پاس کھڑے پانچ سالہ عبدالہادی اور سات سالہ شان اچھل اچھل کر شور مچا رہے تھے۔ ساجد مسلسل مبین کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا۔ مبین نے ذکی کی چیخ و پکار سنے بغیر اُسے نیچے گرا دیا۔ ذکی دھڑم سے نیچے گرا اور پھر رونے لگا۔ باقی بچے ہنسنے لگے۔ ذکی روتا ہوا اپنی والدہ کے پاس گیا جو باورچی خانے میں کام رہی تھیں۔ اس نے مبین کی شکایت لگائی تو اَمی نے مبین کو ڈانٹا۔ مبین ڈر کر اُوپر بھاگ گیا۔

مبین، ذکی اور عبدالہادی، تینوں بھائی ہیں، جب کہ ساجد، شان، ایمان اور اَیمن، بہن بھائی ہیں۔ یہ بچے جب بھی اکٹھے ہوتے ہی سارے گھر میں ایک طوفان آجاتا ہے۔ ایمان سب بچوں میں بڑی ہے، اس لیے وہ ان کے ساتھ کھیل میں شامل نہیں ہوتی۔ ایمن ابھی دو سال کی ہے۔ سب بچوں کو شرارتی اور پیاری سی ایمن بہت اچھی لگتی ہے۔ سب ایمن کو گود میں اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں، مگر ایمن چیخ مار کر رونے لگتی ہے۔

ساجد اِن سب بچوں میں سب سے زیادہ شرارتی ہے۔ وہ چہرے سے بہت معصوم لگتا ہے، مگر ہر شرارت کے پیچھے اس کا خاص دماغ ہوتا ہے۔ وہ سب بچوں کو منصوبہ بنا کر آگے کر دیتا ہے اور خود معصوم بن کر بیٹھ جاتا ہے۔ ساجد میں ایک بُری عادت ہے کہ وہ جھوٹ بہت بولتا ہے۔ اس کے والدین نے کئی بار اُسے پیار سے سمجھایا، ڈانٹا بھی، مگر ساجد کی یہ عادت نہیں گئی۔ ساجد کو جھوٹ بولنے جیسی بُری عادت سے ہمیشہ کے لیے باز رکھنے کے لیے کوئی ترکیب سوچنی ضروری تھی۔ چند دِن بعد ساجد کی والدہ نے اسے سمجھانے کا ایک طریقہ سوچا۔

''بچو! ہم باہر جا رہے ہیں۔ فریج میں چاکلیٹ کا پیکٹ رکھا ہے۔ کوئی بچہ اسے ہاتھ نہیں لگائے گا۔''

ساجد کی والدہ نے کہا تو سب بچوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ جب گھر کی خواتین باہر چلی گئیں تو ساجد کو شرارت سوجھی۔ اس نے اپنے ساتھ باقی بچوں کو بھی شامل کر لیا کہ ہم پیکٹ میں سے ایک ایک چاکلیٹ نکال لیتے ہیں۔ سب بچے اس لاؤنج میں آگئے۔ ساجد نے فریج کا دروازہ کھولا اور چاکلیٹ کا پیکٹ نکالا۔ اس نے سب کو ایک ایک چاکلیٹ دی، مگر خود دو لے لیں۔ چاکلیٹ کھا کر تمام بچے بہت خوش تھے، چاکلیٹ بہت مزے دار تھی۔

''کیا خیال ہے، ایک ایک اور کھائیں؟''

ساجد نے سوال کیا تو سب بچے تیار ہوگئے۔ انھوں نے پھر چاکلیٹ نکالی۔ اس سے پہلے کہ وہ ہاتھ میں پکڑی چاکلیٹ کھاتے، گھر کی خواتین واپس آگئیں۔

''یہ کیا حرکت ہے؟''

ساجد کی والدہ نے سب کے ہاتھوں میں چاکلیٹ دیکھ کر حیرت سے سوال کیا۔ ساجد کے ہاتھ میں چاکلیٹ نہیں تھی، کیوں کہ اس نے چاکلیٹ کا پیکٹ فریج میں ابھی رکھا ہی تھا کہ دروازہ کھلنے کی آواز آئی تھی۔ ساجد نے اپنی چاکلیٹ وہاں پھینک کر فریج کا دروازہ بند کر دیا۔

''ساجد نے چاکلیٹ نکالی ہیں۔'' مبین نے جلدی سے کہا۔

''یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ میرے پاس تو چاکلیٹ نہیں ہے۔'' ساجد نے اپنے دونوں خالی ہاتھ دکھائے۔

''مبین ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ساجد نے چاکلیٹ نکالی ہے۔'' ذکی نے بھی بھائی کی طرف داری کی۔

''اچھا! ابھی فیصلہ ہو جائے گا کہ کون جھوٹ بول رہا ہے اور کون نہیں۔'' ساجد کی والدہ نے غصے سے کہا۔ سب بچے ڈر کر چپ ہوگئے۔

''میں کیمرے میں دیکھ لوں گی۔''

ساجد کی والدہ نے کہا تو ساجد کا رنگ اڑ گیا۔ وہ خوف سے پیلا پڑ گیا۔ سب بچے ساجد کی طرف دیکھنے لگے کہ واقعی اگر ساجد پکڑا گیا تو اُسے بہت مار پڑے گی۔

''جلدی سے بتا دو کہ سچ کیا ہے، نہیں تو......'' ساجد کی والدہ نے غصے سے کہا۔ ساجد سر جھکا کر آگے بڑھا۔

''امی! معاف کر دیں۔ میں نے چاکلیٹ کا پیکٹ کھولا تھا۔''

ساجد نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ ساجد کی والدہ نے اسے گھورا اور پھر

گہری سانس لے کر رہ گئیں۔

''سب بچے یہاں آؤ۔''

ساجد کی والدہ نے نرم آواز میں کہا اور سب بچوں کو لے کر صوفے پر بیٹھ گئیں۔

''بچو! آپ نے دیکھا کہ ساجد نے کیمرے کے ڈر سے سچ بول دیا۔''

ساجد کی والدہ نے کہا تو سب بچے کھی کھی کرنے لگے۔

''بیٹا! کیا آپ کو پتا ہے کہ ہماری ہر حرکت، دل کی ہر بات، سچ، جھوٹ، سب کو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔ اللہ پاک سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے۔

قرآن پاک میں اللہ پاک کے ارشاد کا مفہوم ہے:

''اللہ تعالیٰ دل کے خیالات بھی جانتا ہے۔''

(سورۃ المومن:19)

''اس لیے بیٹا! اگر آپ اپنے بڑوں سے چھپ کر کوئی غلط کام کریں گے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ سب دیکھ رہے ہوں گے۔''

ساجد کی والدہ نے نرمی سے کہا۔

''میں آئندہ کوئی غلط کام نہیں کروں گا۔'' ساجد نے پُرعزم لہجے میں کہا۔

''شاباش بیٹا! بچو! یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ کوئی بھی غلط حرکت اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپ سکتی، کیوں کہ ہر وقت اللہ میاں ہم سب کو دیکھ رہے ہوتے ہیں۔''

ساجد کی والدہ نے کہا تو سب بچوں نے جلدی سے سر ہلایا۔

''چلو، باتیں بہت ہوگئیں۔ اب چاکلیٹ کا پیکٹ کون لائے گا؟ ہم سب مل کر کھائیں گے۔''

ساجد کی والدہ نے کہا تو مبین سب سے پہلے فریج کی طرف بھاگا۔

''امی! آپ ناراض تو نہیں؟''

ساجد نے پاس آ کر پوچھا تو اُنھوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ساجد مسکرا دیا۔ سب بچوں نے ہنستے مسکراتے چاکلیٹ کھائی۔ ساجد کی والدہ نے شکر ادا کیا کہ ایک چھوٹے سے واقعے سے بچوں کو ساری عمر کے لیے بہترین سبق مل گیا ہے۔

پیارے بچو! کبھی بھی کوئی کام اللہ تعالیٰ کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا، اس لیے ہمیں بھی چاہیے ہمیشہ اچھے کام کریں اور بُرے کاموں سے دور رہنے کی کوشش کریں۔

بقیہ: ڈپٹ

''دیکھو بھئی، کسی مسلمان کو طعنہ دینا بہت بُری بات ہے۔ اس سے سامنے والے کا دِل دکھتا ہے اور کسی کا دِل دکھانا بھی بہت بڑا گناہ ہے۔ آپ کو چاچا فضل سے اس طرح پیش نہیں آنا چاہیے تھا۔ بڑوں کا ادب ہمیں ہر حال میں کرنا چاہیے، خواہ وہ غلطی پر ہوں۔

غلط بات کی نشان دہی تہذیب و اخلاق کے دائرے میں رہ کر کی جانی چاہیے، لٰہذا آپ چاچا فضل سے معافی مانگیں۔

اور چاچا فضل! آپ بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے خاطر اپنے مسلمان بھائی کو معاف کر دیجیے۔

معاف کرنے سے محبت بڑھتی ہے۔ معاف کرنے والے اور معافی مانگنے والے، دونوں اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں۔ جب ہم ایک دوسرے کو معاف کریں گے تو اللہ رب العزت بھی ہمارے گناہوں کو معاف کر دے گا۔''

چناں چہ بلال نے چاچا فضل سے معافی مانگی اور چاچا نے بھی بلال کو معاف کر دیا۔

اب امام صاحب نے چاچا فضل کی اصلاح کی:

''بابا جی! بچوں کے ساتھ سختی سے پیش نہیں آتے۔ بچوں کے ساتھ شفقت سے پیش آنا ہمارے پیارے نبی ﷺ کی پیاری سنت ہے اور ویسے بھی یہی بچے مستقبل کے معمار ہیں۔

آج اگر یہ بچے مساجد میں نہیں آئیں گے تو دین سے بہت دور ہو جائیں گے۔

ہمارا اِن کے ساتھ سختی سے پیش آنا بہت بُرا عمل ہے، اس طرح تو بچے مساجد، مدارس، علما اور دِین داروں سے متنفر ہو جائیں گے اور یہ تو سراسر نقصان اور گھاٹے کا سودا ہے۔

لٰہذا ہمیں چاہیے کہ مساجد، مدارس، محافل وغیرہ میں بچوں کی شرارتوں پر اِصلاح ضرور کریں، لیکن انھیں بہت ہی پیار سے میٹھے انداز میں سمجھائیں۔ اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ بچے دین سے بھی دور نہیں ہوں گے، بل کہ ان کا ذوق وشوق مزید بڑھتا رہے گا۔''

چاچا فضل نے امام صاحب کا بے حد شکریہ ادا کیا کہ انھوں نے نہایت عمدہ انداز میں ان کی اصلاح کی اور اِمام صاحب سے وعدہ بھی کیا کہ وہ آئندہ بچوں کے ساتھ نرمی سے پیش آئیں گے۔

۲۳ مارچ

محمد شریف شیوہؔ۔لاہور

مارچ کی آج ہوگئی تیئیس
اس کی ہر یاد اس لیے ہے نفیس

آج ہم نے کیا تھا عہدِ وفا
جس کا پھل یہ وطن ہے ہم کو ملا

نام ہے اس وطن کا پاکستان
جس پہ ہیں جان و دل ، سبھی قربان

خوابِ اقبال کی ہے یہ تعبیر
یہ جناح کی ہے صورتِ تدبیر

شکر ، ہم کو ملی ہے آزادی
اچھی منزل خدا نے دکھلادی

اپنا گھر ہے ، زمیں ہماری ہے
یہ تو پھولوں کی اک کیاری ہے

اس کی سرحد پہ جو کھڑے ہیں جوان
ہیں زبردست شیر دل نگران

بڑھ کے امرت سے اس کا ہے پانی
اس چمن کا نہیں کوئی ثانی

جھرنے ہنستے ہیں رقص کرتے ہوئے
پنچھی ہوتے ہیں خوش گزرتے ہوئے

جھومتے کھیت ہیں ہواؤں میں
شہر کی رونقیں ہیں گاؤں میں

ریت صحرا کی ، نقرئی ذرات
موجِ دریا کی کچھ نہ پوچھو بات

کالے بادل ہوا کی ڈولی میں
لپکے آتے ہیں آپ جھولی میں

جب بھی بارش یہاں برستی ہے
پیاسی مٹی میں جان پڑتی ہے

جھک کے سورج سلام کرتا ہے
وہ بھی شیوہؔ اسی پہ مرتا ہے

۴۔ طلیحہ اسدی

حافظ محمد دانش عارفین حیرت۔ لاہور

۹ ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت اقدس میں بنواَسد کا ایک وفد حاضر ہوا اور رسمی گفتگو کے بعد کہا۔

یہ وفد تقریباً دس لوگوں پر مشتمل تھا۔ اس وفد میں ضرار بن الازور، وابصہ بن معبد اور طلیحہ بن خویلد جیسے مشہور و معروف لوگ شامل تھے۔ بنواَسد کے لوگ بہت ہی بہادر اور جنگ جُو لوگ تھے۔ انھوں نے کفر اور اِسلام کے معرکوں میں ہمیشہ قریش کا ساتھ دیا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کی جنگ جُو فطرت اور قریش کا ساتھ دینے کی وجہ سے مصلحتاً کوئی تبلیغی وفد روانہ نہیں فرمایا تھا۔ یہ لوگ خود ہی حالات کا مشاہدہ کرکے ایمان لائے تھے۔ اب جب کہ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت اقدس میں موجود تھے تو اپنے اِسلام لانے پر فخر کر رہے تھے۔

"یارسول اللہ! آپ نے ہماری طرف کوئی مبلغ یا جماعت نہیں بھیجی، بل کہ ہم نے خود ہی اسلام قبول کیا ہے اور دور دراز کا سفر کرکے آپ کی خدمت میں حاضری دی ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چوں کہ امام الانبیاء ہیں، اس لیے ان کی اس بات پر خاموش رہے، اسی طرح جیسے ابتدائے اسلام میں قریش کی باتوں کو برداشت کیا کرتے تھے، مگر اللہ تبارک وتعالیٰ کو اُن لوگوں کی یہ بات بالکل بھی پسند نہیں آئی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے وحی نازل فرمائی:

"(اے نبی! یہ لوگ آپ پر یہ احسان جتلاتے ہیں کہ ہم اسلام لائے تو بس آپ کہہ دیں: مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ جتلاؤ)، بل کہ اللہ تعالیٰ کا تم پر اِحسان ہے کہ اس نے تمھیں ایمان لانے کی ہدایت کی، اگر تم (اپنے ایمان میں) سچے ہو۔" (الحجرات، ۱۷)

ضرار بن الازور رضی اللہ عنہ اپنے قبیلے کے دولت مند آدمی تھے۔ ان کے پاس ایک ہزار اُونٹوں کا گلہ (ریوڑ) تھا۔ انھوں نے اسلام لانے کے بعد اپنے تمام گناہوں سے توبہ کی اور اپنا سارا مال بمع مویشیوں کے راہِ خدا میں قربان کر دیا۔ اس کے بعد خالی ہاتھ بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں حاضر ہوئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اُن کے اس فعل کا علم ہوا تو اُن کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا: "تمھاری تجارت خسارے میں نہیں رہی۔"

چوں کہ جانوروں کے حوالے سے گفتگو ہو رہی تھی، اس لیے اس وقت وفد کے ایک رکن کے ذہن میں ایک سوال آیا۔ اس نے پوچھا:

"یارسول اللہ! جانوروں کی بولیوں سے شگون (فال) لینا کیسا ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جواب دیا: "ناجائز ہے۔"

تھوڑی دیر گفتگو کے بعد یہ لوگ اپنے قبیلے میں واپس چلے گئے۔ وہاں جا کر اِن لوگوں نے بڑے جوش اور اِخلاص کے ساتھ اسلام کی دعوت دی۔

واپس جا کر بدقسمتی سے اس وفد کے ایک رکن کا دِماغ خراب ہو گیا اور اُس نے شیطان کے جال میں پھنس کر دعویٰ نبوت کر دیا (معاذ اللہ!)۔ وفد کے اس شخص کا نام طلیحہ بن خویلد تھا، مگر اپنے قبیلے بنواَسد کی نسبت کی وجہ سے یہ طلیحہ اسدی کے نام سے معروف ہے۔

طلیحہ اسدی کے دعویٰ نبوت کے بعد دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں لوگ اس کے اردگرد اِکٹھے ہو گئے اور اُس کی اتباع شروع کر دی۔ یہ ایک بہت ہی حیرت کی بات ہے۔

حیرت کی بات اس وجہ سے ہے کہ ہم ہمیشہ سے پڑھتے اور سنتے آئے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملنے کے بعد اُن کے اپنے قبیلے کے ہی لوگ دشمن بن گئے تھے۔ جو لوگ انھیں صادق اور امین کہتے تھے وہی ان کی مخالفت کرنے لگے تھے اور اُن پر اَور مسلمان ہونے والوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑنے شروع کر دیے تھے۔ تین سال کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے ماننے والوں کو ایک گھاٹی میں رہنے پر مجبور کر دیا تھا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کرنی پڑی۔ ہجرت کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبیلے کے لوگوں نے آپ کا پیچھا نہیں چھوڑا، بل کہ بہت سی جنگیں بھی لڑیں۔ یہ مخالفت بلا مبالغہ فتح مکہ تک جاری رہی۔

صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نہیں، بل کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے قبائل نے ان کی مخالفت کی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے تو اپنی قوم کو ساڑھے نو سو سال تک تبلیغ کی اور اِتنے طویل عرصہ نبوت میں ان کی قوم اور قبیلے کے سوسے بھی کم لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے تو اُن کی اس قدر مخالفت کی کہ انھیں آگ میں ہی ڈال دیا۔

دوسری طرف جب ہم تاریخ کے صفحات کے ذریعے جھوٹے نبیوں پر نظر دوڑاتے ہیں تو حیران کن طور پر تمام کے تمام جھوٹے نبیوں کے قبائل نے ان کی مخالفت ہرگز نہیں کی، بل کہ ان کے اعلانِ نبوت کے فوراً بعد ہی تمام کے تمام جھوٹے نبیوں کے قبائل نے ان کی مدد اور نصرت شروع کر دی۔

ایسا غالباً اس وجہ سے تھا کہ تمام کے تمام قبائل، قبیلہ قریش سے حسد کرتے تھے، کیوں کہ ایک تو نبی علیہ السلام کے ذریعے بنی اسرائیل سے نبوت ختم ہو کر قریش میں منتقل ہو گئی تھی۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ قریش نے ابتدا میں تو نبی علیہ السلام کی حد درجے مخالفت کی تھی، لیکن بعد میں نبی علیہ السلام کی نبوت کو دل وجان سے قبول کر کے ان کی مدد کی، جس کی وجہ سے قریش کی پوری دنیا میں عزت کی جانے لگی۔ جھوٹے نبیوں کے قبائل والے شاید یہ سوچ کر ہی اپنے جھوٹے نبی کی اطاعت کرتے تھے کہ جس طرح قریش اپنے نبی کی عزت، اکرام اور مدد کر کے دنیا بھر میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے ہیں، ہم بھی اپنی نبی کی مدد ونصرت کر کے دنیا میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جائیں گے۔ ہمیں اپنے نبی کی مخالفت اس طرح نہیں کرنی چاہیے جس طرح قریش نے ابتدا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی تھی۔ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہم دنیا میں قریش سے بھی زیادہ عزت دار ہو جائیں۔

......☆......

طلیحہ اسدی نے دعویٰ نبوت کے بعد دین کے احکام کو اَپنے جھوٹ کے ذریعے تبدیل کیا اور لوگوں کے ایمان کے ساتھ کھیلنا شروع کر دیا۔ اس نے نماز میں صرف قیام کو ضروری قرار دیا۔ رکوع اور سجدے کو ختم کر دیا۔

''نماز میں سے رکوع اور سجدے کو کیوں ختم کر دیا گیا ہے؟'' طلیحہ اسدی کے ایک ماننے والے نے اس سے پوچھا۔

طلیحہ نے رکوع اور سجدے کے ختم ہونے کی وجہ یہ بتائی کہ ''خدا اِس سے بے نیاز ہے کہ لوگ (سجدے میں) اپنے چہرے کو مٹی پر رگڑیں۔ وہ خدا (تم) لوگوں کے (رکوع میں) کمر جھکانے سے بھی بے نیاز ہے۔ معبودِ برحق کو کھڑے ہو کر یاد کر لینا ہی کافی ہے۔''

اس نے زکوٰۃ کو بھی ختم کر دیا۔ اس کے علاوہ بھی طلیحہ اسدی نے اسلام کے دوسرے احکامات کے متعلق من گھڑت باتیں کیں۔ طلیحہ کا کہنا تھا:

''جبرئیل امین (علیہ السلام) ہر وقت میرے ساتھ رہتے ہیں اور وزیر کی حیثیت سے تمام اہم معاملات میں میری مدد کرتے ہیں اور مجھے مناسب مشورے بھی دیتے ہیں۔''

......☆......

طلیحہ نے جب یہ دیکھا کہ اس کے اردگرد لوگوں کا ایک بہت بڑا حلقہ جمع ہو گیا ہے اور ایک بہت بڑی تعداد اُس کی بات کو ماننے لگی ہے تو اُس کے ذہن میں خیال آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو میرے قبیلے کے لوگوں کو اِسلام کی دعوت نہیں دی تھی، بل کہ میرے قبیلے کے لوگوں نے خود ہی اسلام قبول کیا تھا، کیوں نا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جھوٹی نبوت کی دعوت دے دوں۔

اس خیال کا آنا تھا کہ اس نے اپنے چچازاد بھائی حبال کو اپنے پاس بلایا اور کہا: ''حبال! میں نے تمھیں ایک خاص مقصد سے یہاں بلایا ہے۔ تم مدینہ منورہ جاؤ اور وہاں جا کر میری نبوت کا پیغام سناؤ۔''

''اچھی بات ہے۔ میں فوراً جاتا ہوں۔''

حبال راضی ہو گیا اور سامانِ سفر باندھ کر مدینہ منورہ چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر اُس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور اُنھیں (نعوذ باللہ) طلیحہ کی جھوٹی نبوت پر اِیمان لانے کی دعوت دیتے ہوئے کہا:

''طلیحہ کے پاس ذوالنون (روح الامین وحی لے کر) آتا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم لوگوں نے بس ذوالنون کا نام کہیں سے سن لیا ہے (اور اَب جھوٹ بولتے ہو اور کہتے ہو کہ ہمارے پاس ذوالنون آتا ہے۔)''

بنو اَسد کے لوگ شروع سے ہی مغرور تھے، بات بات پر طنز بھی کیا کرتے

تھے، اس لیے آپ ﷺ کا جواب سن کر حبال نے مغرور لہجے میں طنز کرتے ہوئے کہا:

"واہ صاحب واہ! آپ کیا سمجھتے ہیں کہ وہ شخص جھوٹا ہے جسے لاکھوں لوگ اپنا ہادی (راہ نمائی کرنے والا) اور نجات دہندہ مانتے ہیں۔"

اسلام قبول کرتے وقت بھی ان کے وفد نے آپ ﷺ سے بدتمیزی سے بات کی تھی۔ اس وقت آپ ﷺ ان کی بدتمیزی برداشت کر گئے تھے، لیکن اس وقت حبال اسلام قبول کرنے نہیں، بل کہ لوگوں کو دین حق سے بھٹکانے کے لیے آیا تھا، لہٰذا اُس کی بدترین گستاخی پر آپ ﷺ کو تقاضائے بشریت کے تحت غصے آ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "خدا تمھیں ہلاک کرے اور تمھارا خاتمہ بخیر نہ ہو۔"

(آپ ﷺ کی بات پوری ہوئی اور حبال حالت ارتداد میں ہی (اسلام قبول کرنے کے بعد کافر ہو کر) قتل ہوا اور ہمیشہ کے لیے جہنم واصل ہو گیا۔)

آپ ﷺ کا جواب سن کر حبال واپس چلا گیا۔

حبال کے جانے کے بعد آپ ﷺ نے حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ کو جہاد کی ترغیب دینے کے لیے ایسے قبائل کے سرداروں کی طرف بھیجا جو طلیحہ کے قریب رہتے تھے۔ حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک جماعت بھی تھی، جو جہاد کے لیے ان کے ساتھ مدینہ منورہ سے ہی روانہ ہوئی تھی۔

حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ جب ان قبائل میں پہنچے اور اُنھیں جہاد کی تبلیغ کی تو اُنھوں نے دعوتِ جہاد پر لبیک کہا۔ یوں آپ رضی اللہ عنہ ایک بڑی جماعت تیار کر کے طلیحہ سے مقابلے کے لیے نکلے۔ دوسری طرف طلیحہ کو بھی حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ کے آنے کی خبر مل گئی۔ اس نے بھی اپنی فوج تیار کر لی۔

میدانِ جنگ میں دونوں فوجیں آمنے سامنے آئیں۔ ایک طرف محمد ﷺ کے دیوانے، دوسری طرف جھوٹے نبی کے ماننے والے۔ جنگ شروع ہوئی۔ حق اور باطل ٹکرائے۔ ضرار رضی اللہ عنہ کی فوج نے بہت بہادری سے مقابلہ کیا اور اپنے سامنے آنے والے ہر شخص کو گاجر مولی کی طرح کاٹ دیا۔ طلیحہ کی فوج نے بہت کوشش کی کہ وہ کسی طرح مسلمانوں پر غالب آ جائیں، مگر ایسا ممکن نہ ہو سکا۔ طلیحہ بڑی مشکل سے جان بچا کر فرار ہونے میں کام یاب رہا۔ اس طرح یہ فتنہ وقتی طور پر دَب گیا۔ ابھی ضرار رضی اللہ عنہ فتح کی خوش خبری لے کر مدینہ منورہ بھی نہیں پہنچے تھے کہ آپ ﷺ نے دنیا سے پردہ فرما لیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفۂ رسول (ﷺ) مقرر ہوئے۔

آپ ﷺ کے وصال کی خبر پھیلی تو طلیحہ نے اپنا کام دوبارہ شروع کر دیا۔ اس مرتبہ اس کے کام میں بہت زیادہ تیزی تھی۔ بہت سے قبائل نے اس کا ساتھ دیا۔ یوں طلیحہ کی طاقت کافی بڑھ گئی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب بہت سے قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ لوگ زکوٰۃ دینے کو بوجھ سمجھتے تھے، اس لیے انھوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ انھوں نے کہا: "ہم لوگ نماز تو پڑھیں گے، لیکن زکوٰۃ نہیں دیں گے۔"

غالباً ان لوگوں کا خیال تھا کہ آپ ﷺ تو ہیں نہیں۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ابھی نئے نئے خلیفہ بنے ہیں، اس لیے وہ زکوٰۃ نہ دینے پر ہم سے کوئی باز پُرس نہیں کریں گے۔

آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں اسامہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر تیار کر کے روانہ فرمایا تھا۔ یہ لشکر ابھی مدینہ منورہ سے باہر ہی تھا کہ آپ ﷺ دنیا سے چلے گئے، اس لیے یہ لشکر واپس آ گیا۔ خلیفہ بننے کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو روانہ فرمایا۔

زکوٰۃ نہ دینے والوں کا خیال تھا کہ اسامہ رضی اللہ عنہ ایک فوجی لشکر لے کر چلے گئے ہیں، اس لیے اب مدینہ منورہ میں کوئی بھی سپاہی نہیں ہو گا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر روانہ فرمانے کے بعد زکوٰۃ نہ دینے والوں کی طرف توجہ فرمائی۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ آپ رضی اللہ عنہ زکوٰۃ نہ دینے والوں سے جنگ کا ارادہ رکھتے ہیں تو اُنھوں نے فوجی لشکر کی کمی کے باعث ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا:

"ابھی ان قبائل کی طرف توجہ نہ کی جائے، بل کہ خلافت کو مضبوط کیا جائے۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں اپنی فوجی قوت کی کم زوری سے بخوبی آگاہ ہوں، مگر میں یہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتا کہ رسول اللہ ﷺ کو جو قبائل جس قدر زکوٰۃ دیا کرتے تھے، اس میں ایک دانہ بھی کم ہو جائے۔ میں ایسے قبائل سے ضرور جنگ کروں گا اور زکوٰۃ وصول کروں گا۔ یہ تو کسی بھی طرح ممکن نہیں ہے کہ دین اسلام کا کوئی رکن توڑا جائے اور میں خاموش رہوں۔ کیا رسول اللہ ﷺ کے بعد اسلام کو یتیم خیال کیا جائے گا اور اُسے بے یار و مددگار چھوڑ دیا جائے گا۔"

دوسری طرف منکرین زکوٰۃ سے جھوٹے نبی طلیحہ اسدی نے رابطہ کیا اور اُن دونوں گروہوں کے درمیان اتحاد قائم ہو گیا۔ یہ سب لوگ مدینہ منورہ کے حالات سے بے خبر تھے، اس لیے مدینہ منورہ کے حالات جاننے کے لیے طلیحہ اسدی نے ایک بار پھر مدینہ منورہ میں اپنے بھائی حبال کو بہت سی ہدایات دے کر بھیجا۔

طلیحہ نے اپنے بھائی سے کہا:

"حبال! تم مدینہ منورہ جاؤ اور حالات کا جائزہ لے کر آؤ۔"

......(جاری ہے)

شکر پارے

قارئین

☆ایک طالب علم (دوسرے طالب علم):

''بھئی، امتحان کب ہے؟''

دوسرا طالب علم: دو ہفتے بعد۔''

پہلا: ''کوئی تیاری بھی کی ہے؟''

دوسرا: ''ہاں، ایک نیا قلم خریدا ہے۔ نئے کپڑے سلوائے ہیں، نیا جوتا اور نئی گھڑی خریدی ہے۔

☆ایک پاگل: ''اگر دریا میں آگ لگ جائے تو مچھلیاں کہاں جائیں گی؟''

دوسرا پاگل'': درختوں پر چڑھ جائیں گے۔''

تیسرا: ارے پاگل! وہ کیا گائے بھینسیں ہیں جو درختوں پر چڑھ جائیں گی۔''

☆ایک پاگل خانے میں سب پاگلوں کو ایک نیا دورہ پڑا۔ سب کے سب ہاتھ آگے پھیلائے ہوئے، جیسے موٹر سائیکل چلا رہے ہوں اور منہ سے ''ہینگ ہینگ'' کی آوازیں نکالتے ہوئے پاگل خانے میں بھاگ رہے تھے۔ ڈاکٹر بہت پریشان تھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟

ایک پاگل خاموشی سے بیٹھا ان سب کو دیکھ رہا تھا۔ ڈاکٹر نے اس پر غور کیا تو محسوس ہوا کہ وہ کچھ ٹھیک سا ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر نے اس کا الگ چیک اَپ شروع کیا تو پتا چلا وہ کافی ٹھیک ہو چکا ہے۔

ڈاکٹر: ''میرا خیال ہے اب تمھیں گھر چلے جانا چاہیے، تاکہ تم گھر کے ماحول میں رہ کر بالکل ٹھیک ہو جاؤ۔ اچھا، یہ بتاؤ، تمھارا گھر کہاں ہے؟''

پاگل: ''ڈاکٹر صاحب! میرا گھر تو یہاں سے ہزاروں میل دور ہے؟''

ڈاکٹر: ''اوہو، تو تم وہاں جاؤ گے کس طرح؟''

پاگل کھڑے ہو کر ہاتھ پھیلاتے ہوئے: ''ہینگ ہینگ، ہینگ ہینگ۔''

(نعمان اعوان۔ کراچی)

☆بڑی بہن (چھوٹے بھائی سے): ''کہاں جا رہے ہو؟''

چھوٹا بھائی (غصے سے): ''مرنے جا رہا ہوں۔''

بڑی بہن: ''ساتھ میں تھیلا لے کر جانا۔''

چھوٹا بھائی (تعجب سے): ''وہ کس لیے؟''

بڑی بہن: ''اگر ارادہ بدل جائے تو آتے ہوئے دو کلو آلو اور ایک کلو پیاز لے آنا۔''

(محمد شایان شیخ۔ حیدرآباد)

☆ شادی میں کھانے کے وقت ایک آدمی کو کوئی پلیٹ نہیں ملی۔

وہ آدمی اپنی جھولی میں کھانا ڈالنے لگا تو لوگوں نے پوچھا: ''یہ کیا!؟''

آدمی: ''داغ تو چلا جائے گا، یہ وقت پھر نہیں آئے گا۔''

(نورالعین۔ حیدرآباد)

☆ ریاضی میں کم زور دو (۲) دوست انٹرویو کے لیے تیار بیٹھے تھے۔

پہلے کا نمبر آیا تو وہ اندر داخل ہوا۔

افسر: ''آپ ریل میں سفر کر رہے ہوں۔ تھوڑی دیر میں آپ کو گرمی لگنے لگے تو آپ کیا کریں گے؟''

امیدوار: ''میں کھڑکی کھول دوں گا۔''

افسر: ''بہت خوب! اب بتائیں کہ اگر وہ کھڑکی ۱ء۵ اسکوائر میٹر ہے اور ڈبے کا رقبہ ۹۰×۱۲ فٹ ہے اور ٹرین ۸۰ کلومیٹر فی گھنٹا کی رفتار سے جنوب کی طرف جا رہی ہے اور ہوا جنوب سے ۵ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے ڈبے میں داخل ہو رہی ہے تو پورا ڈبا ٹھنڈا ہونے میں کتنا وقت لگے گا؟''

امیدوار نے خاصی کوشش کی، مگر جواب نہ دے سکا اور وہ فیل ہو گیا۔

باہر آ کر اُس نے وہ سوال اپنے دوست کو بتایا۔

اب اس دوست کی باری آئی۔

افسر: ''آپ ریل میں سفر کر رہے ہوں۔ تھوڑی دیر میں آپ کو گرمی لگنے لگے تو آپ کیا کریں گے؟''

امیدوار: ''میں اپنا کوٹ اُتار دُوں گا۔''

افسر: ''پھر بھی گرمی لگے تو؟''

امیدوار: ''میں اپنی شرٹ اُتار دوں گا۔''

افسر: (چڑ کر): ''پھر بھی گرمی لگے تو؟''

امیدوار: ''میں اپنا بنیان بھی اُتار دوں گا۔''

افسر: (غصے میں): ''اگر پھر بھی گرمی لگے تو؟''

امیدوار: ''میں گرمی برداشت کر لوں گا، پر کچھ بھی ہو جائے، میں کھڑکی نہیں کھولوں گا۔''

(فیض الہادی۔ نوشہرہ)

محنتی

محمد ذکی۔کراچی

اسکول کا پہلا دن تھا۔طلبہ بڑے جوش وخروش کے ساتھ آ رہے تھے۔تمام طلبہ نئے یونی فارم، نئے جوتیں، نئی کتابیں اور نئے بستے لے کر آئے تھے۔ سب کا چہرہ ہنستا مسکراتا نظر آ رہا تھا۔ان طلبہ میں ایک نہایت سنجیدہ طبیعت اور بہت سیدھا سادہ تھا۔یونی فارم بھی پرانا تھا، جوتے بھی گھسے ہوئے تھے، بستہ بھی کچھ خاص نہیں تھا، کتابیں بھی پرانی تھیں۔دیگر طلبہ کی نسبت وہ کافی غریب لگ رہا تھا۔طلبہ آپس میں خوش گپیوں میں مصروف تھے، لیکن اس طالب علم سے کوئی بات کرنا گوارا نہیں کر رہا تھا۔وہ دیگر طلبہ سے ہٹ کر بات چیت کے بجائے مطالعے میں مصروف تھا۔کمرۂ جماعت میں استاد صاحب داخل ہوئے۔ تمام طلبہ ادبًا کھڑے ہوگئے اور سلام کیا۔استاد صاحب نے سب سے پہلے اپنا تعارف کرایا، پھر تمام طلبہ نے باری باری اپنا اپنا تعارف کرایا۔تعارفی نشست کے بعد اُستاد صاحب طلبہ سے مخاطب ہوئے:

’’بچو! آپ لوگ فارغ اوقات میں کیا کرتے ہیں؟‘‘

ہر طالب علم نے اپنا الگ الگ مشغلہ بتایا۔کسی نے کہا: کھیلتا ہوں، کسی نے کہا: گھومتا پھرتا ہوں، کسی نے کہا: رشتے داروں کے گھر جاتا ہوں۔کسی نے کہا: موبائل چلاتا ہوں۔غرض تمام طلبہ کا بنیادی مشغلہ تفریح اور کھیل تھا۔

سب اپنے اپنے مشاغل بتانے مشغول تھے۔اتنے میں وہ غریب اور سنجیدہ طالب علم کھڑا ہوا اور بولا: میں فارغ اوقات میں کتابوں کا مطالعہ کرتا ہوں۔اس کی بات سن کر سب طلبہ ہنسنے لگے کہ یہ پاگل فارغ اوقات میں بھی پڑھائی کرتا ہے۔استاد صاحب نے ڈیسک بجائی، سب خاموش ہوگئے۔

استاد صاحب طلبہ سے پھر مخاطب ہوئے:

’’بچو! آپ میں سے کون کون مجھے خاتم النبین ﷺ کی سیرت، یعنی حالات زندگی کے بارے میں بتا سکتا ہے؟‘‘

سب خاموشی سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔سب خاموش تھے۔ اس خاموشی کے عالم میں ایک بچہ کھڑا ہوا اور خاتم النبین ﷺ کی سیرت فرفر پیش کرنے لگا۔سب حیرانی سے اس کی طرف دیکھ کر رشک کرنے لگے۔تمام طلبہ اسے داد دینے پر مجبور ہوگئے۔

یہ وہی غریب اور نادار بچہ تھا، جس کا یونی فارم اور کتابیں بھی پرانی تھیں، جو فارغ اوقات میں کھیلنے کے بجائے کتابیں پڑھتا تھا۔آج اس کی قربانی رنگ لائی، اس کے سامنے غربت حائل نہیں ہوئی۔اس نے اپنے وقت کو غنیمت جانا اور فائدہ اٹھایا۔دیگر بچوں کی طرح فضول کاموں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے کتابیں پڑھ کر اُپنے وقت کو کارآمد بنایا۔آج وہ تمام طلبہ میں نمایاں نظر آ رہا تھا۔استاد صاحب نے اسے خوب دعائیں اور شاباشی دی۔

سائبان

اکبر امین میمن۔ سکھر

اسلام آباد کے اس محل نما گھر کے ستونوں سے سرد ہوا بار بار آ کر ٹکرا رہی تھی۔ دوپہر کا سورج بادلوں کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔ پورچ میں آ کر ایک لمبی ہائی لکس رُکی۔ اس میں سے مرسل شاہ اترے اور سامان ملازم کو دیا۔ اندر داخل ہوئے تو کرمو، جو کہ دس سالہ نوکر تھا، مرسل شاہ کے لاؤنج میں رکھے ریک پر سجی کتب اٹھا اٹھا کر اُنھیں صاف کر رہا تھا۔ اس نے صاحب جی کو دیکھا تو سیدھا کھڑا ہو گیا۔

''السلام علیکم صاحب!'' کرمو نے کہا۔ مرسل شاہ نے صرف تنی گردن کو ہلایا۔ کرمو پھر مصروف ہو گیا۔ ان کے جوتوں کی ٹک ٹک سارے لاؤنج میں گونج رہی تھی۔

ارے واہ! آپ نے حیران کر دیا!'' سامنے سے تیرہ سالہ فواد اُن سے لپٹ گیا۔

''کہا تھا نا! آج کل میں آ جاؤں گا۔ دیکھو، دبئی سے میں کیا کیا لایا ہوں۔''

مرسل شاہ نے کہا۔ کرمو اُسی طرح ہاتھ چلاتا رہا۔

''کرمو! پانی لانا۔'' اندر سے آواز آئی۔

''لایا صاحب!'' کرمو نے کہا اور کپڑا رکھ کر باورچی خانے میں گھس گیا۔

......☆......

اگلی صبح کرمو کپڑے دھو رہا تھا۔ واشنگ مشین میں کپڑے گول گول گھوم رہے تھے۔ وہ سردی سے کانپ رہا تھا۔ اس کا تین سال پرانا سوئیٹر اب خاصا بوسیدہ ہو گیا تھا۔

''کرمو! میری نئی شرٹ کہاں گئی؟''

فواد کے کمرے سے آواز آئی۔ کرمو فوراً بھاگا۔

''جی چھوٹے صاحب جی!؟'' کرمو نے کہا۔

''میری نئی شرٹ کہاں گئی؟''

فواد نے اس سے پوچھا۔ کرمو اُسے دیکھتا رہا۔

''کون...... سی؟'' کرمو نے پوچھا۔ اس کی آواز بھی سردی سے ٹھٹھر رہی تھی اور اُس کے دانت بھی بج رہے تھے۔

''ارے وہ کالی والی جو اُس دن تمھیں الماری میں رکھنے کا کہا تھا، کہیں وہ بھی میلے کپڑوں میں تو نہیں ڈال دی؟'' فواد نے کہا۔ کرمو نے سر کھجایا۔

''باپ رے!'' وہ زیرِ لب بڑبڑایا۔

''کیا ہوا؟'' فواد نے پوچھا۔

''ابھی لایا۔'' کرمو یہ کہہ کر فوراً بھاگا۔ اس کے سامنے استری اسٹینڈ کے پاس ہینگر میں وہ شرٹ لٹک رہی تھی۔

''آج تو گیا۔'' اس نے خود سے کہا۔

وہ شرٹ لے کر بھاگا اور فواد کو وہ شرٹ دے دی۔

''یہ تم کہاں لے گئے تھے؟ یہ تو تمھیں دھونی ہی نہیں تھی!'' وہ غرایا۔ کرمو کا ننھا سا دِل اپنی دھڑکن کو تیز کر چکا تھا۔

کرمو کے منہ پر وہیں ایک تھپڑ جڑ دیا گیا۔ اس کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو بہہ نکلے۔

''اب دفع ہو جاؤ یہاں سے!''

کرمو منہ پر ہاتھ رکھ کر چلا گیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ اس نے واپس جا کر بتیاں بند کیں اور سرونٹ کواٹر میں چلا گیا۔ وہاں سے منہ دھو کر اور اِنہیلر لے کر وہ پودوں کو پانی دینے چلا گیا۔

اسی طرح دوپہر کا کھانا لگانے کا وقت آ گیا۔ باورچی خانے سے باورچی سے برتن لے کر وہ میز پر رکھ رہا تھا۔ اس کے پیٹ میں بھی چوہے دوڑ رہے تھے۔ سامنے ہر قسم کے کھانے سجے تھے، مگر ملازموں کو کھانا ہمیشہ مالکوں کے بعد ملتا تھا۔ فواد اور بیگم صاحبہ ہی موجود تھے۔ اس وقت

بقیہ صفحہ نمبر 39 پر

قرآن کوئز ۷

سعد علی چھیپا۔ کراچی

عزیز قارئین! پیشِ خدمت ہے ایک نیا انعامی سلسلہ بنام ''قرآن کوئز''، جس میں آپ سے اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ''قرآن کریم'' کے بارے میں پانچ سوال پوچھے جائیں گے۔ صحیح جواب دینے پر آپ کو ملے گا بہترین انعام......

تو دیجیے جواب اور لیجیے انعام......

آپ کا جواب کوپن کے ساتھ ۳۱، مارچ، ۲۰۲۱ء تک ہمیں مل جانا چاہیے۔

سوال

۱ قرآن کریم کی سب سے بڑی سورت میں کتنی آیات ہیں؟

۲ قرآن کریم میں تین آیات والی سورتیں کتنی ہیں؟

۳ سورۂ رحمٰن میں فَبِاَیِّ آلَاۗءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ کتنی مرتبہ آیا ہے؟

۴ وہ کون سی سورت ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے بہت سارے ناموں کا ذکر ہے؟

۵ آیتوں کے اعتبار سے قرآن کریم کی تیسری بڑی سورت کون سی ہے؟

چھٹیاں

نادیہ ناز غوری۔ کراچی

"کیا بات ہے عیان بیٹا! بہت خوش لگ رہے ہو؟"

عیان اسکول سے واپس آیا تو اُسے خوش دیکھ کر والدہ نے پوچھا۔

"امی! کل سے اسکول کی چھٹیاں ہوگئی ہیں۔ اب میں دیر تک سوؤں گا اور خوب کھیلوں گا۔ اب اسکول جانے اور جلدی اُٹھنے کی اُلجھن ختم۔" عیان نے لاڈ سے والدہ کے گلے میں بانہیں ڈال کر بتایا۔

"اور چھٹیوں کا کام کون کرے گا؟"

عیان کی والدہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"امی! پورے دو مہینوں کی چھٹیاں ہیں۔ بہت سارے دن ہیں۔ کام بھی ہو ہی جائے گا۔ ویسے بھی چھٹیاں تو تفریح اور مزے کرنے کے لیے ہوتی ہیں۔" عیان نے والدہ کو اپنے خیالات سے آگاہ کیا۔

"بیٹا! ایسا نہیں ہے۔"

"او ہو امی! ابھی تو چھٹیاں شروع ہی ہوئی ہیں اور آپ ابھی سے چھٹیوں کے کام کی باتیں کر رہی ہیں۔ امی! مجھے بہت بھوک لگی ہے! آج کیا پکا ہے؟" عیان نے مہارت سے گفتگو کا موضوع تبدیل کیا۔

"بیٹا! آپ کا پسندیدہ کھانا پکایا ہے۔ آپ منہ ہاتھ دھو کر کھانا کھا لو اور پھر کچھ دیر آرام کر لو۔ شام کو دادی کے گھر جانا ہے۔" عیان کی والدہ نے ہدایت دیتے ہوئے کہا۔

عیان ہر سال گرمیوں کی چھٹیاں گزارنے اپنی دادی کے گھر لاہور جاتا تھا۔ اس سال بھی عیان اپنی والدہ کے ساتھ دادی کے گھر گیا۔ عیان کی دادی استانی رہ چکی تھیں، لیکن وہ عام استانیوں سے بہت مختلف تھیں۔ وہ بہت دل چسپ انداز سے سکھاتی تھیں۔ عیان کی دادی نے عیان کی اسکول کی کاپیاں دیکھیں تو ہر مضمون کی کاپی پر "لکھائی صاف کریں"، "لکھائی پر توجہ دیں"، "لکھائی اچھی کرنے کے لیے خوش خطی کی مشق کریں" جیسے الفاظ پڑھ کر افسردہ ہوگئیں۔

"بھئی، ہمارے زمانے میں تو اسکول میں باقاعدہ تختی لکھوائی جاتی تھی۔" دادی ماضی یاد کرتے ہوئے بولیں۔

"اسکول میں تختی لکھوائی جاتی تھی! کیا مطلب؟" عیان نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں بیٹا! ہم باقاعدگی سے تختی لکھا کرتے تھے۔ سیاہی خود بناتے تھے اور تختی پر چکنی گاچی مَل کر اُسے تیار کرتے تھے، پھر سرکنڈے کے قلم سے اس تختی پر لکھا کرتے تھے۔ اس زمانے میں "خطّاطی کے بازار" ہوتے تھے، جہاں صرف خطّاطی کے لیے استعمال ہونے والا سامان ملتا تھا، یعنی کاغذ، سیاہی اور قلم وغیرہ۔ ہمارے زمانے میں ہر طالب علم "خوش خط" ہوا کرتا تھا۔ اس زمانے میں خوش خط ہونا ذوقِ نفیس کا ایک معیار گردانا جاتا تھا۔" دادی نے ماضی کی روایات یاد کرتے ہوئے کہا۔

"دادی! کیا آج بھی تختی لکھ کر لکھائی بہتر کی جا سکتی ہے؟" عیان نے تجسّس سے پوچھا۔

"کیوں نہیں بیٹا! ہم قدیم مفید روایات کو آج بھی برقرار رکھ سکتے ہیں۔" دادی نے جواب دیا۔

''میرے ہم جماعت میری خراب لکھائی کے سبب میرا مذاق اڑاتے ہیں۔ دادی جان! کیا آپ مجھے خوش خطی سکھائیں گی؟'' عیان نے اشتیاق سے پوچھا۔

''ضرور! کیوں نہیں۔ بیٹا! چھٹیاں صرف تفریح کے لیے نہیں ہوتیں، ان میں کوئی نہ کوئی مفید کام یا ہنر ضرور سیکھنا چاہیے۔ ہم کل ہی خوش خطی کا آغاز کریں گے، ان شاء اللہ!'' دادی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ اگلے دن عیان کی دادی نے بازار سے فنِ خطّاطی کا سامان منگوالیا۔

''بیٹا! خوب صورت لکھائی ایک فن ہے اور یہ شخصیت کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ تھوڑی سی توجہ اور محنت سے لکھائی خوب صورت بنائی جاسکتی ہے۔ اب آپ اس قلم سے تختی پر ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' لکھو۔'' دادی نے عیان کو تختی اور قلم دیتے ہوئے کہا۔ فرقان نے جلدی سے لکھ کر دادی کو دِکھایا۔

''بیٹا! جلدی جلدی لکھنے کے بجائے ہر لفظ ٹھہر ٹھہر کر، توجّہ اور محبت سے لکھو۔'' دادی نے اصلاح کی اور دوبارہ لکھوایا۔ اس بار عیان نے بہت اچھا لکھا۔ دادی نے عیان کو شاباش دی۔ اس طرح روزانہ دادی، عیان کو خوش خط لکھواتیں۔ ایک ماہ میں عیان کی لکھائی بہت اچھی ہوگئی۔ عیان بہت خوش تھا کہ دادی نے کتنے آسان طریقے اور توجہ سے اسے خوش خطی سکھادِی۔ عیان نے اپنا چھٹیوں کا کام مکمل کیا۔ اب اسے اسکول کھلنے کا انتظار تھا۔ وہ اپنی استانیوں اور ہم جماعتوں کو اپنی خوش خطی دکھانا چاہتا تھا۔

چھٹیوں کے بعد آج عیان کا اِسکول میں پہلا دن تھا۔ آج تمام طلبہ کو چھٹیوں کا کام جمع کروانا تھا۔ جب عیان نے مس سنبل کو اپنا ہوم ورک دکھایا تو وہ عیان کی خوب صورت لکھائی دیکھ کر حیران رہ گئیں اور پرنسپل صاحبہ کو عیان کی خوش خطی دکھائی۔ پرنسپل صاحبہ بھی عیان کی خوش نویسی دیکھ کر بہت متاثر ہوئیں اور عیان سے اس تبدیلی کی وجہ پوچھی۔ عیان نے انھیں سارا ماجرا سنایا۔ پرنسپل صاحبہ دل چسپی سے سنتے ہوئے سوچ میں پڑگئیں۔ انھوں نے عیان کی لکھائی کی تعریف کی۔ اگلے دن انھوں نے اعلان کیا کہ اس سال امتحان میں خوش خطی سے پرچہ حل کرنے والے طلبہ کو اضافی پانچ نمبر دیے جائیں گے۔

''دادی جان! اسکول میں سب میری لکھائی سے متاثر ہوئے اور پرنسپل صاحبہ نے خوش خطی سے پرچہ حل کرنے والوں کو اضافی پانچ نمبر دینے کا اعلان کیا ہے۔'' عیان نے دادی کو فون پر بتایا۔

''یعنی آپ کے اضافی پانچ نمبر پکے!'' دادی نے خوشی سے کہا۔

''جی دادی اور آپ کا انعام بھی پکّا!'' عیان نے شرارت سے جواب دیا۔ دادی کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔ ان کی محنت جو وصول ہوگئی تھی۔

بقیہ سائبان

مرسل شاہ کورٹ میں ہوتے تھے۔

وہ سرونٹ کواٹر میں جاچکا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے رات اپنے ساتھ چاند، تارے اور سرد ہوائیں لے آئی۔ خانساماں اور وہ ایک پلنگ پر سوتے تھے اور باقی ملازمین دوسرے کمرے میں ہوتے تھے۔

''کمبل دو۔'' کرمو نے کمبل لینا چاہا، مگر خانساماں نے بدلے میں اسے ایسی لات رسید کی کہ وہ سیدھا پلنگ سے نیچے گر گیا۔ سردی بڑھ گئی تھی۔

اس کو گزرا وقت بے حد یاد آیا۔

''اماں! تیری بیگم صاحبہ نیا کمبل دے دیتی ہے؟ واہ بھئی!'' چھے سالہ کرمو نے ماں سے کہا۔ وہ لوگ تین بہن بھائی تھے۔

''اماں! تُو بھی اوڑھ۔'' مانو نے کہا۔ کمبل چوں کہ چھوٹا تھا سو ماں نے انھیں ہی دے دیا۔

''میں پرانا اوڑھ لوں گی۔'' بشیرہ مسکرائی اور اپنے تینوں بچوں کے ماتھے چومے۔

کرمو ماضی کے دھندلکوں سے واپس حال میں پہنچا۔ وہ رونے لگا۔ اس نے بار بار خانساماں سے کمبل لینا چاہا، مگر بے سود۔ اس نے بہت کوشش کی تھی مرسل صاحب سے کمبل مانگنے کی، مگر وہ ٹالتے رہے تھے۔

اس نے برابر والے سرونٹ کواٹر میں جانا چاہا، مگر اُسے کھانسی ہونے لگی۔ اس کا دمہ بگڑنے لگا۔ اس کی کھانسی پر خانساماں نے ناک سے گویا مکھی اڑائی اور گھوڑے گدھے بیچ کر سو گیا۔

اس نے انہیلر ڈھونڈا، مگر اُسے ملا ہی نہیں۔ وہ پلنگ کے نیچے گر گیا تھا۔ اس کی حالت کے مطابق اس کی پہنچ سے دور۔

اس کے پاس کوئی سائبان نہیں تھا، تھا تو بس حالات کی قید کا پنجرہ۔ کمائے گئے پیسے اسے ہر ماہ کے اختتام پر چچا کے گھر رہنے والے بھائی بہنوں کو دینے ہوتے تھے۔ اس کی ماں بھی کب کی اس جہان فانی سے کوچ کر چکی تھی۔

''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔'' اس کے لبوں نے حرکت کی۔

سردی اور دمہ اس کی جان کو آ گیا تھا۔ وہ لیٹ گیا تھا اس ٹھنڈے فرش پر۔ اسے اپنے سامنے ایک سفید ہالہ نظر آیا۔ وہ ہالہ ایسا تھا جہاں سے اس ننھی جان کی واپسی کا کوئی راستہ نہ تھا!

جمعہ اور دعا

انصار احمد معروفی قاسمی۔ یو پی، انڈیا

آج اے امی! منائیں گھر پہ ہم ''یومِ دعا''
گھر کا ہر ہر فرد شامل ہو ، وہ چھوٹا یا بڑا

عصر پڑھ کر میں اور ابو سیدھے گھر لوٹ آئیں گے
دن ہے یہ امی جمعہ کا ، ہم گدا بن جائیں گے

یہ تو اچھی بات ہے بیٹے! ہم ایسا ہی کریں
ایک کمرے میں بڑی سی پاک چادر ڈال دیں

بیٹھ کر اس پر تلاوت ہم کریں ، مانگیں دعا
ذکر میں کوئی ہو اور کوئی ہو محوِ التجا

در کھلا اللہ کا ہر وقت دینے کے لیے
پہلے بندہ مستعد ہوجائے لینے کے لیے

اس کے در پر کیا کمی ، ہے سب خزانہ اس کے پاس
مانگنے والا لگائے رکھے بس مولیٰ سے آس

جو نہ کچھ مولیٰ سے مانگے ، اس سے ہوتا ہے خفا
گڑگڑائے جب کوئی بیمار ، وہ دے گا شفا

میرے بیٹے! ہم یقیں کے ساتھ مانگیں گے دعا
ٹال دے اللہ جو بھی آنے والی ہو بلا

جب خدا دیکھے گا گھر کے فرد محوِ ذکر ہیں
اپنے اپنے دل میں سارے لوگ محوِ شکر ہیں

اک قدم بڑھنے پہ رحمت اس کی آئے دو قدم
دوڑ کر رحمت بڑھے اس کی طرف ، رب کی قسم!

انوکھا

افشاں شاہد۔ کراچی

’’استاد! دیکھو، سامنے والے ہوٹل پر کتنا رَش ہے اور ہمارے ہوٹل پر مکھیاں بھن بھنا رہی ہیں۔‘‘

چھوٹے کی اس بات نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

’’تمھیں کیا لگتا ہے، میری آنکھیں خراب ہیں یا مجھے دکھائی نہیں دے رہا۔‘‘

استاد کی بات سن کر چھوٹا گھبرا گیا۔

’’ویسے ہی کاروبار مندا چل رہا ہے، ایسا نہ ہو اُستاد مجھے بھی کام سے فارغ کر دیں۔‘‘ یہ سوچ کر چھوٹے نے فوراً بات بدلی:

’’استاد! میرا کہنے کا مقصد یہ تھا کہ آپ یہ سوچیں کہ سامنے والے ہوٹل والے کے پاس ایسا کیا انوکھا ہے جس کی وجہ سے نہ صرف لوگ جوق در جوق اس کے ہوٹل پر جاتے ہیں، بل کہ اب تو ہمارے مستقل گاہک، جو صبح سویرے ہمارے یہاں سے ناشتا کر کے اپنے کام پر جاتے تھے، وہیں ناشتا کرتے دکھائی دیتے ہیں اور......‘‘

’’اللہ کے نام پر کھانا کھلا دو، رات سے کچھ نہیں کھایا بڑے صاحب!‘‘

چھوٹے کی بات جاری تھی کہ ایک فقیر کی صدا سنائی دی۔

’’صبح کے دس بجنے کو آئے ہیں، ایک روپے کا کام نہیں ہوا اور تمھیں مفت میں کھانا کھانا ہے۔ جاؤ، ادھر سے نکلو، کہاں کہاں سے منہ اٹھا کر آ جاتے ہیں۔‘‘

سیٹھ نے مانگنے والے کو بُری طرح جھڑک دیا۔

یہ ایک چھوٹا سا علاقہ ہے جہاں زیادہ تر لوگ متوسط گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ محنت مزدوری کر کے ان کا اچھا گزر بسر ہو رہا ہے۔ کچھ عرصے قبل تک اس علاقے میں صرف سیٹھ ساجد کا ہوٹل تھا۔ کچھ لوگوں نے سیٹھ کی دیکھا دیکھی اپنے ہوٹل کھولے، لیکن کسی کا بھی کاروبار نہ چلا، لیکن عبداللہ بھائی نے جب سے ہوٹل کھولا ہے سیٹھ ساجد کے ہوٹل کا کاروبار ٹھپ ہو گیا ہے۔ جو لوگ سیٹھ ساجد کے ہوٹل کے پکوانوں کی تعریف کرتے نہیں تھکتے تھے اب وہ لوگ بھی عبداللہ بھائی کے ہوٹل کے گُن گاتے ہیں۔

سیٹھ ساجد کے کاروبار میں کمی آئی تو اُس نے دوسرے حربے استعمال کرنے شروع کیے۔ زیادہ تنخواہ کا لالچ دے کر عبداللہ بھائی کے خانساماں کو اپنے پاس بُلا لیا، پھر گاہکوں کو رِعایت دینا بھی شروع کی، لیکن کوئی بھی حربہ کارگر ثابت نہ ہوا اور بجائے سیٹھ ساجد کے ہوٹل پر رَش ہونے کے اس کے گاہکوں میں مزید کمی واقع ہونے لگی۔ آخر تھک ہار کر سیٹھ ساجد نے خود ہی اس مسئلے کو حل کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ بھیس بدل کر عبداللہ بھائی کے ہوٹل پر پہنچا، تاکہ یہ معلوم کر سکے کہ عبداللہ بھائی کے ہوٹل میں ایسا کیا انوکھا ہے کہ لوگ ان کے ہوٹل کا دم بھرتے ہیں۔

ابھی سیٹھ نے چائے کا آرڈر ہی دیا تھا کہ ایک مانگنے والا آیا اور کھانے کا تقاضا کرنے لگا۔ عبداللہ بھائی نے اسے محبت سے اندر بلایا اور چھوٹے کو اُسے کھانا دینے کے لیے کہا۔ کچھ لمحے گزرے تھے کہ مزید دو تین فقیر اور آئے۔ عبداللہ بھائی نے ماتھے پر شکن لائے بغیر اُن کی بھی مدد کی۔

سیٹھ ساجد وہاں بیٹھے بیٹھے اپنا موازنہ عبداللہ بھائی سے کرنے لگا۔ اسے اپنا آپ عبداللہ بھائی کے مقابلے میں بہت چھوٹا لگا۔ اس نے آج تک کسی فقیر سے سیدھے منہ بات تک نہیں کی تھی۔ نہ ہی کسی بھوکے کو کھانا کھلایا تھا، نہ ہی کسی غریب کی مدد کی تھی۔

سیٹھ ساجد جب وہاں سے اٹھا تو وہ پہلے والا سیٹھ ساجد نہیں رہا تھا، وہ بالکل بدل چکا تھا، کیوں کہ وہ جان گیا تھا کہ جس طرح علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے، اسی طرح رزق میں کشادگی بھی خلقِ خدا کی مدد کرنے سے آتی ہے۔

بکھرے موتی

قارئین

☆ جولوگ کسی بڑے مقصد کو لے کر خلوص وصداقت سے والہانہ کام کرتے ہیں اور اپنی جان تک کھپا دینے کی پروا نہیں کرتے، وہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔

☆ دوست وہ ہوسکتا ہے جس کے سامنے بات کرتے وقت تم اپنا دل کھول کر رکھ سکو۔

(نثار احمد سولنگی۔کراچی)

☆ کسی کام کو شروع کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ باتیں کرنا چھوڑیں اور کام کرنا شروع کریں۔

☆ اکثر عظیم اور کام یاب لوگ اپنی بڑی ناکامی کے اگلے قدم پر عظیم کام یابی سمیٹ لیتے ہیں۔

☆ ہر مسئلہ ایک تحفہ ہے، مسائل کے بغیر ترقی نہیں ہوتی۔

☆ کام یابی ہر کوئی حاصل کرسکتا ہے۔ دنیا میں کوئی ایسا کام نہیں جو دوسرا کرسکتا ہے اور آپ نہیں۔

☆ رات کو جلدی سونا اور صبح سویرے اٹھنا، یہ عادت انسان کو صحت مند اور عقل مند بناتی ہے۔

☆ اپنی ناکامیوں سے پریشان نہ ہوں، ان سے سیکھیے اور کام دوبارہ شروع کر دیجیے۔ (اخلاق۔کراچی)

☆ عاجز ترین شخص وہ ہے جس کا کوئی دوست نہ ہو۔

☆ جو عیب سے آگاہ کرے وہی حقیقی دوست ہے۔

☆ کم بولنا عقل مندی کی علامت ہے۔

☆ تین چیزیں محبت بڑھانے کا ذریعہ ہے۔ ا۔ سلام کرنا۔ ۲۔ دوسروں کے لیے مجلس میں جگہ چھوڑ دینا۔ ۳۔ مخاطب کو بہترین نام سے پکارنا۔

☆ مصیبتوں کا مقابلہ صبر سے اور نعمتوں کی حفاظت شکر سے کرو۔

(عکاشہ رشید اعظمیٰ۔کراچی)

☆ خامیوں کا احساس کام یابیوں کی کنجی ہے۔

(محمد طلحہ حنیف۔حاصل پور)

☆ بے اعتباری محبت کو کھا جاتی ہے۔ (محمد شہزاد میرالی۔حاصل پور)

☆ بیمار بادشاہ سے صحت مند مزدور بہتر ہے۔ (محمد وقاص رضوی۔حاصل پور)

☆ نفرت دل کا پاگل پن ہے۔ (عبید الرحمٰن۔حاصل پور)

☆ آدمی اپنے دوست کے طریقے پر ہوتا ہے، اس لیے تم میں سے ہر ایک کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔

☆ قیامت کے دن مومن کے عمل کے ترازو میں سب سے زیادہ وزن دار نیکی اچھے اخلاق ہوں گے۔ (اہلیہ ہاشم۔کراچی)

☆ دو چہرے انسان کو کبھی نہیں بھولتے، ایک مشکل میں ساتھ رہنے والا، دوسرا ساتھ چھوڑنے والا۔

☆ اپنا خیال رکھیے، کیوں کہ آپ کو خود آپ کی ضرورت ہے۔

☆ صورت بغیر سیرت کے ایک ایسا پھول ہے، جس میں کانٹے بہت اور خوش بُو بالکل نہیں ہوتی۔

(محمد معاویہ راجپوت)

☆ اگر انسان روئے تو اللہ کے سامنے روئے، لوگوں کے سامنے روئے گا تو لوگ تماشا بنائیں گے۔

☆ اخلاق کا اچھا ہونا اللہ تعالیٰ سے محبت کی دلیل ہے۔ (عائشہ حسین۔کراچی)

چھوٹی سی گڑیا

شاہد اقبال۔ گوجرانوالہ

وہ اپنے نام کی طرح بالکل گڑیا تھی۔ پہلی جماعت کی طالبہ تھی۔ نیلی آنکھوں کے ساتھ پونی لگائے جب کلاس میں داخل ہوتی تو ہر کسی کو اُس پر بے اختیار پیار آجاتا۔ اس کی تربیت یقیناً اچھے ماحول میں ہوئی تھی۔ سب سے پہلے وہ السلام علیکم کہتی، پھر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ جاتی۔ پڑھنے میں وہ سب سے آگے ہوتی۔ وقت پر ہوم ورک کرتی اور اپنی استانیوں کی باتوں کو بہت دھیان سے سنتی اور اُنھیں یاد بھی رکھتی۔

ایک روز تفریح کے وقفے میں اسے اپنی جماعت میں بہت خوب صورت کلر پنسلوں کا ایک ڈبا ملا۔ اس وقت جماعت میں کوئی بھی نہیں تھا۔ گڑیا نے چند لمحوں کے لیے کچھ سوچا اور پھر ڈبا اٹھا کر اپنے بستے میں رکھ لیا۔ اس نے سوچا کہ جس بچے یا بچی کا گم ہوا ہوگا جب وہ دیکھے گا کہ اس کی کلر پنسلیں غائب ہیں تو وہ یقیناً استانی صاحبہ سے ذکر کرے گا اور یوں وہ اصل مالک کو ڈبا لوٹا دے گی، مگر چھٹی کا وقت ہوگیا، کسی نے بھی اپنی چیز گم ہونے کی اطلاع نہیں دی اور گڑیا خود بھی بھول گئی کہ اس کے بیگ میں کسی کا کلر پنسلوں کا خوب صورت ڈبا موجود ہے۔ گھر آ کر جیسے ہی اس نے اپنا ہوم ورک کرنے کے لیے بستہ کھولا تو اُسے وہ ڈبا نظر آیا۔

''ارے! میں تو بھول ہی گئی کہ یہ ڈبا لوٹانا ہے۔'' وہ خود سے بولی۔

''ڈرائنگ کاپی میں جب اس نے اپنا ہوم ورک کرنا چاہا تو وہ یہ دیکھ کر پریشان ہوگئی کہ اس کی اپنی کلر پنسلیں بہت چھوٹی چھوٹی سی رہ گئی ہیں۔ ان کے ذریعے تصویروں میں رنگ بھرنا بہت مشکل ہے۔

''اب کیا کروں؟''

''جو گم شدہ پنسلیں ملی ہیں، انھیں استعمال کرلو۔'' اسے ایک خیال آیا۔

اچانک کوئی اس کے اندر سے بولا: ''نہیں، نہیں۔''

فوراً ہی ایک اور خیال آیا:

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے، بل کہ تم یہ ڈبا اپنے پاس ہی رکھ لو۔ تم نے کون سا چرایا ہے۔''

''بُری بات، ہرگز ایسا نہ کرنا۔ امی سے کہہ کر نیا ڈبا بازار سے منگوالو۔''

پھر اُس کے ضمیر نے سرگوشی کی اور وہ مطمئن ہوکر امی کے سامنے پہنچ گئی اور ساری صورتِ حال انھیں بتادی۔

''شاباش گڑیا! تم نے میرا سر فخر سے بلند کردیا ہے، لیکن کلر پنسلیں میں آج تو نہیں منگوا سکتی۔ اگلے ہفتے ضرور منگوادوں گی۔''

''ٹھیک ہے امی جان! میں کل اسکول میں یہ پنسل کا ڈبا اس کے مالک کو واپس کردوں گی۔''

گڑیا نے اگلے روز اپنی استانی کو پوری بات بتائی اور پنسل کا ڈبا ان کے حوالے کردیا۔ مس رخسار کو گڑیا کی یہ بات بے حد پسند آئی۔ انھوں نے گڑیا کو گود میں اٹھالیا اور کلاس میں سب بچوں کے سامنے اس کی ایمان داری کا واقعہ سنایا اور گڑیا کی طرح بننے کی ہدایت کی۔ پنسلوں کا ڈبا اس کے اصل مالک کو دے دیا گیا۔ مس رخسار، گڑیا سے بہت متاثر ہوئی تھیں۔ انھوں نے فوراً اسکول کی دکان سے ایک بالکل نیا کلر پنسلوں کا ڈبا منگوایا اور گڑیا کے ہاتھ میں تھمادیا:

''گڑیا! یہ تمھارا اِنعام۔ مجھے امید ہے کہ تمھیں یہ پسند آئے گا۔''

''بہت شکریہ مس!''

گڑیا کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اپنی خوشی کا اِظہار کیسے کرے۔ وہ دوڑ کر مس رخسار سے لپٹ گئی۔ خوشی کے آنسو اُس کی نیلی آنکھوں میں ستاروں کی طرح جھلملا رہے تھے۔

مجرم کی تلاش ۵

محمد عمر بن عبدالرشید۔ کراچی

انسپکٹر فراز جلدی سے جیپ میں بیٹھے اور کالی جیل کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں انھیں احساس ہوا کہ اشعر کو بھی ان کے ساتھ چلنا چاہیے تھا، لہٰذا اُنھوں نے اشعر کا نمبر ملایا، لیکن فون بند ملا۔

''اشعر کا فون بند کیوں آرہا ہے۔ کہیں وہ کسی مصیبت میں تو نہیں پھنس گیا۔''

یہ سوچ کر اُنھوں نے ایک پولیس کانسٹیبل کو فون کیا:

''ارحم! کیا اشعر پہنچ گیا ہے؟''

''جی نہیں سر!'' ارحم نے جواب دیا تو وہ پریشان ہو کر بولے:

''تم ایسا کرو کہ جلدی سے اپنے دو تین ساتھیوں کے ساتھ خفیہ ٹھکانے پہنچو۔''

''اوکے سر!'' ارحم نے جواب دیا اور اُنھوں نے فون بند کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ کالی جیل کے باہر موجود تھے۔ وہ بلا جھجک اندر داخل ہو گئے۔ کسی نے انھیں کچھ بھی نہ کہا۔ اندر داخل ہو کر وہ سیدھے انتظام غوری کے دفتر میں گئے۔ وہ انھیں دیکھ کر چونک اٹھا:

''اس قدر جلدی آگئے انسپکٹر صاحب!''

''حیرت ہے، مجھے یہاں پہنچنے میں ایک گھنٹا لگ گیا اور آپ کہہ رہے ہیں کہ میں جلدی آگیا۔'' انسپکٹر فراز بُرا مانتے ہوئے بولے۔

''ارے، آپ تو بُرا مان گئے۔ خیر، آیئے پہلے چائے پی لیتے ہیں۔'' انتظام غوری نے انھیں کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں، میں چائے پینے نہیں آیا، اور آپ ان باتوں کو چھوڑیے اور مجھے چندر راؤ کے لاک اَپ تک لے چلیے۔'' انسپکٹر فراز تنک کر بولے۔

''ٹھیک ہے، آیئے۔'' یہ کہہ کر اِنتظام غوری اٹھا اور اُنھیں لے کر چندر راؤ کے لاک اَپ تک آیا۔ وہ اندر ہی موجود تھا۔

''ذرا لاک اَپ کا دروازہ کھولیے۔ میں اندر کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔''

انسپکٹر فراز نے کہا تو اِنتظام غوری نے سر ہلاتے چابی کی ہول میں گھمائی۔ ایک ہلکی سی آواز پیدا ہوئی اور دروازہ کھل گیا۔ انسپکٹر فراز اندر داخل ہوئے۔ چندر راؤ چٹائی پر بیٹھا ہوا تھا۔ انھوں نے چندر راؤ کو غور سے دیکھا۔ وہ بالکل اصلی تھا، لیکن پھر وہ چونک اٹھے، لیکن یہ بات انتظام غوری اور چندر راؤ محسوس نہ کر سکے، پھر اُنھوں نے پورا لاک اَپ چیک کر ڈالا، لیکن کوئی خفیہ راستہ نہ ملا۔

''نہیں بھئی، چندر راؤ نے کچھ نہیں کیا۔ میں نے اس بے چارے پر خواہ مخواہ ہی شک کیا۔''

یہ کہہ کر وہ لاک اَپ سے باہر نکل آئے۔

''اب اسے بے چارہ تو نہ کہیے۔'' انتظام غوری نے مسکراتے ہوئے سلاخوں والا دروازہ لاک کیا۔

''میں نے آپ کو زحمت دی، اس کے لیے معافی چاہتا ہوں اور اَب میں چلتا ہوں۔'' انسپکٹر فراز نے مسکراتے ہوئے انتظام غوری سے ہاتھ ملایا اور جیل سے باہر نکل کر اپنی جیپ میں آبیٹھے اور پھر بڑبڑائے:

''بہت خوب! یعنی فائل چندر راؤ نے ہی اڑائی ہے۔ اس کے چہرے پر میک اَپ کے نشانات اس بات کا ثبوت ہیں کہ وہ جیل سے باہر تھا اور میک اَپ میں تھا، لیکن جب میں اسے دیکھنے کے لیے جیل میں آیا تو وہ میرے آنے سے پہلے ہی پہنچ گیا، پَر وہ جلدی میں اپنا میک اَپ صحیح طریقے سے صاف نہیں کر سکا، جب کہ اس کے کمرے سے بھی کوئی خفیہ راستہ باہر نہیں جاتا تو اِس کا یہ مطلب ہے کہ وہ انتظام غوری کی مدد سے باہر نکلا تھا۔'' یہ سوچ کر اُنھوں نے

موبائل نکالا اور ایک کانسٹیبل کو فون کیا:

''فوراً بھاری نفری لے کر کالی جیل پہنچو۔ ہمارے پاس وقت کم ہے۔''

''اوکے سر!'' کانسٹیبل نے کہا اور اُنھوں نے فون بند کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اچانک انھیں احساس ہوا کہ جیل سے باہر نکل کر اُنھوں نے بہت بڑی غلطی کی ہے، کہیں چندر راؤ کسی خفیہ راستے سے بھاگ نہ جائے۔ اس خیال کے آتے ہی وہ جیپ سے نکلے اور واپس کالی جیل میں داخل ہو گئے۔

وہ سیدھے چندر راؤ کے لاک اَپ کے پاس پہنچے۔ اس کے لاک اَپ کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہ اندر موجود نہیں تھا۔ انھوں نے یہ دیکھا تو بھاگ کر انتظام غوری کے دفتر پہنچے، لیکن دفتر کا دروازہ لاک تھا۔ انھوں نے دروازہ توڑنا شروع کر دیا۔ جلد ہی دروازے کے قبضے اکھڑ گئے اور وہ اندر گر پڑا۔ انسپکٹر فراز تیزی سے اندر داخل ہوئے۔ دروازے کے گرنے کی آواز سے جیل کے ملازمین بھی آ گئے تھے اور پھر سب نے ایک حیرت انگیز منظر دیکھا۔

......(جاری ہے)......

قدرت کی نشانیاں

حافظ محمد احمد۔ بہاول پور

بائیک کی آواز آئی تو عائشہ خوشی سے ''ابو آ گئے، ابو آ گئے۔'' بولتے ہوئے باہر کی طرف لپکی۔ اس نے دروازہ کھولا اور ابو جان کو سلام کیا۔

''وعلیکم السلام بیٹا!'' ابو اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے۔

''دیکھو، میں آپ کے لیے کیا لایا ہوں؟''

''ابو! آپ آم لائے ہیں۔ آم تو مجھے بہت پسند ہیں۔ ابو! آپ بہت اچھے ہیں۔''

عائشہ خوشی اور جوش سے بولی۔

''ابو جان مسکرائے اور اندر کی طرف چلے گئے۔

اتنے میں امی جان نے دسترخوان لگایا۔ ساتھ ہی آم ٹھنڈے پانی میں بھگو دیے، تاکہ سب کھانے کے بعد آم کھا سکیں۔ سب دسترخوان پر بیٹھ گئے۔

ابو بھی آ گئے۔

''احمد بیٹا! کیوں خاموش ہو آج؟''

ابو بیٹھتے ہوئے بولے۔

''کچھ نہیں ابو!''

احمد خاموشی سے کھانا کھانے لگا۔ کھانا کھانے کے بعد سب نے آم کھائے اور بہت خوش ہوئے۔

''تعریف اس خدائے ذوالجلال کی جس نے بے شمار نعمتوں سے نوازا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔''

ابو شکر ادا کرتے ہوئے بولے۔

احمد نے یک دم سر اُٹھایا اور بولا:

''ابو! یہ اللہ تعالیٰ کی نشانی کیا ہوتی ہے؟ آج ہمارے ایک استاد نے بھی کہا تھا کہ زمین و آسمان اور ان میں موجود تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔''

''بیٹا! آپ کے استاد صاحب نے بالکل درست کہا۔ یہ ساری قدرت کی نشانیاں ہیں۔ یہ گرمیوں کے پھل آم، خوبانی، آلو بخارا، خربوزہ اور تربوز، کتنے سارے پھل ہیں۔ یہ سارے پھل ایک ہی زمین سے نکلتے ہیں، لیکن سب کے رنگ مختلف ہیں، ذائقے مختلف ہیں۔ یہ سب قدرت کی طرف سے نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک ہی زمین سے اُگنے والے بے شمار نباتات، پودے، درخت، پھول، جو شکل و صورت اور ساخت کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں، سب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور اُس کی نشانیاں ہیں۔ ذرا غور کریں تو ہر چیز اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے اور اُس کی وحدانیت بیان کرتی ہے۔ یہ بغیر شگاف کے بلند آسمان، جس کی وسعت اور بلندی انسان کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ یہ زمین جو اتنی وسیع و عریض ہے کہ پوری دنیا مل کر بھی اس کی پیمائش نہیں کر سکتی۔ اس کے علاوہ چرند پرند، پہاڑ، ہر چیز رب کی نشانی بیان کر رہی ہے۔

ہر چیز کا خالق و مالک ایک اللہ ہے۔ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ وہ ہر چیز کا خالق ہے۔ چاہے وہ زمین ہو یا آسمان، بہار ہو یا سنگلاخ جنگل، غرضے کہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے تو تعریف بھی اسی رب کی جس نے ہر چیز کو پیدا کیا۔''

''جزاك الله ابو جان! واقعی ہر چیز اللہ کی نشانی ہے۔''

احمد جو غور سے ابو کی بات سن رہا تھا، بولا۔

کتّے

ڈاکٹر صفیہ سلطانہ صدیقی۔ کراچی

ہمارا خیال ہے کہ موذی صرف جانور ہی نہیں ہوتے، بل کہ انسانوں میں بھی خاصے موذی کردار پائے جاتے ہیں۔

اگر جانوروں کی بات کی جائے تو کتا بھی کم موذی نہیں ہے۔ سب سے پہلے تو بھونک بھونک کر بے اندازہ اذیت پہنچاتا ہے اور ہڈی بوٹی بھنبوڑنے کو نہ ملے تو اِنسان کو ہی یا کوئی اور معصوم سا جانور ہی جو مل جائے، اسے جھنجھوڑتا اور پھر بھنبھوڑ ڈالتا ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ نہیں صاحبو! یہ تو کئی دفعہ کا ذکر ہے کہ علی الصبح جب ہم کالج کے لیے دوڑ لگا رہے ہوتے تو کتا برادری کا کوئی نہ کوئی رکن ہمارے اور کالج بس کے درمیان آڑ بن جاتا۔ ہم اس کی نشریات کو نہ سمجھتے ہوئے اپنی حفاظت کے لیے دعاؤں کا وِرد کرنے لگتے اور اُس کے احترام میں اس وقت تک رُکتے جب تک کوئی ہمارا بیچ بچاؤ کرانے اور مدد کرنے نہ آ جاتا۔

اتنی صبح کتا راہ گیروں کو سرِ راہ روک کر کیا کہنا چاہتا ہوگا بھلا! یہ صحیح طرح کبھی سمجھ نہیں آیا، کچھ عجلت اور کچھ خوف کی بنا پر، مگر اَندازِ گفتگو، ہمارا مطلب ہے کہ بھونکنے کا جارحانہ اندازِ بیاں کسی بھتا خور غنڈے جیسا اور کھڑے ہونے کا انداز بھی ویسا ہی دلیرانہ، جابرانہ اور بہیمانہ سا ہوتا۔ فرق اتنا ہوتا کہ کتا جو بھتا لینا چاہتا ہے اور راہ روک کر جو لوٹ مار چاہتا ہے وہ روپے پیسے کا بھتا نہیں ہوتا، فقط ہڈی بوٹی درکار ہوا کرتی ہے۔ کتے کا اندازِ گفتگو اور ''باڈی لینگویج'' ذرا اِس قسم کی ہوتی ہے، جیسے:

''گوشت دلوا دے! چل، ہڈی دلا دے۔ شرافت سے چھیچھڑے ہی پکڑوا دے؟ ورنہ تیری ہڈی بوٹی ایک کر دوں گا! تیرے ہاتھ پاؤں سے ہی کوئی ہڈی یا بوٹی نوچ کر پیٹ بھر لوں گا۔''

چناں چہ کتے کی خوف ناک نگاہیں اور قریب ہی قصاب کی عدم دست یابی ہمیں معذرت خواہانہ، ملتجیانہ اور ساتھ ہی عاقلانہ و بالغانہ، بل کہ مدبرانہ انداز پر متوجہ کر دیتی، تاہم کتا برادری کے روز روز کے نت نئے بھتا خوروں پر ہماری عقل و دانش اور خوف بھرے تاثرات کا ذرا بھی اثر نہ ہوتا، یہاں تک کہ اللہ کا کوئی بندہ آس پاس سے بھاری پتھر پھینک کر ہمیں کتا اور بھتا، دونوں کے خوف سے نجات دلا کر ثواب کما کر گزر جاتا۔ اگر کتے کے مذکرات کسی نہ کسی کی مداخلت کا شکار نہ ہوتے تو یقین سے کہا جا سکتا تھا کہ ہم پہلا دورانیہ اور دوسرا بھی آدھا دورانیہ ضرور کتے کے اعزاز میں چھوڑ دیتے۔

کہا جاتا ہے کہ کتا بہت وفادار ہوتا ہے، بہت اچھی بات ہے، مگر کتا پسند اقوام گندے کتوں کو اپنے پاس اس طرح رکھتے ہیں جس طرح چھوٹے بھائی بہن یا اپنے بچوں کو اپنے ساتھ رکھا جاتا ہے۔ ہمیں مغرب کی یہ تاریخ معلوم نہیں کہ وہ کب کتا پرست ہوئے اور کیوں ہوئے؟ تاہم دل یہ احتجاج ضرور کرتا ہے کہ واہ بھئی! بچہ تو ایک ہی اچھا، کتے دو، دو؟ عمدہ کھانا، نہلانا دھلانا، اپنے بستر میں سلانا؟ پھر بچوں نے ہی کیا قصور کیا ہے کہ وہ ڈے کیئر سینٹر میں رہیں۔ اماں ابا آدھا دن پیسے کمائیں اور آدھا دن جہنم کمائیں اور اماں ابا کے اماں ابا، اولڈ ہاؤس کی زینت بن جائیں؟ پھر یہ ٹوٹا ہوا گھرانا کتوں کی مدد سے اور چند پرندوں کو قید کر کے الگ الگ جگہ تنہا رہ کر دِل بہلانے کی عجیب اور ناکام کوششیں کرتا رہے۔

انتہائی عجیب معاملہ ہے۔ انسان تو بے عزت ہے اور کتا صاحبِ حیثیت و صاحبِ عقیدت! یہ صاف ستھری اور جراثیم کی دنیا سے نفرت کرنے والی ترقی یافتہ قوم فرطِ عقیدت سے جب کتوں سے دل بہلا کر بچوں کو

بقیہ صفحہ نمبر 48 پر

مدد کا بدلہ

محمد سعد صالح۔ کراچی

احمد پانچویں جماعت کا طالب علم ہے۔ وہ ایک پڑھا کو اور اچھا بچہ ہے۔ احمد کے گھر سے تھوڑا سا آگے اس کے دوست افنان کا گھر ہے۔ دونوں میں گہری دوستی ہے۔ وہ صبح ساتھ اسکول جاتے اور دوپہر کو ساتھ واپس آتے ہیں۔ دونوں دوست خوب محنت سے پڑھتے ہیں اور ہمیشہ کلاس میں نمایاں پوزیشن حاصل کرتے ہیں۔ ان کی دوستی پر سب طلبہ کو رشک آتا ہے۔ نصابی اور ہم نصابی، ہر سرگرمی میں دونوں ایک دوسرے کی خوب مدد کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کا حوصلہ بڑھاتے ہیں اور ایک دوسرے کی کام یابی کے لیے خوب دعائیں کرتے ہیں۔

ایک دن اسکول کی چھٹی ہوئی تو وہ دونوں ساتھ گھر چل دیے، مگر اگلی صبح احمد اِسکول جانے کے لیے تیار ہوا تو اَفنان نہیں آیا۔ احمد اکیلے اسکول چلا گیا، مگر اَفنان کا خیال اسے آتا رہا۔ افنان کبھی غیر حاضری نہیں کرتا، پھر آج اس نے کیوں چھٹی کی؟ احمد یہی سوچتا رہا۔ دوپہر کو جیسے ہی چھٹی ہوئی وہ بھاگم بھاگ افنان کے گھر پہنچا۔ وہاں جا کر دیکھا تو اَفنان کا گھر بند تھا۔ وہ مایوس ہو کر اپنے گھر آ گیا۔ اگلے دن بھی افنان نہیں آیا۔ اب احمد کافی پریشان ہوا۔ اسکول سے چھٹی کے فوراً بعد وہ دوبارہ افنان کے گھر گیا۔ اس نے دروازے پر دستک دی تو اَفنان کے ابو باہر آئے۔ افنان کے گھر جا کر اَحمد کو پتا چلا کہ افنان بیمار ہے۔ اسے علاج کی ضرورت ہے۔ اس کے والد کے ماتھے پر شکنیں دیکھ کر اَحمد سمجھ گیا کہ مالی طور پر خستہ حالی کی وجہ سے وہ اس کا علاج کرانے سے قاصر ہیں۔ اس کی والدہ بھی بے بسی سے افنان کو دیکھ رہی تھیں۔ افنان کی عیادت کر کے احمد واپس گھر آ گیا، مگر اُس کا دماغ افنان کے بارے میں سوچتا رہا۔

احمد گھر آ کر کافی بے چین رہا۔ اس نے گاڑی خریدنے کے لیے کچھ پیسے جمع کیے تھے، مگر اَبھی اس کا دوست مصیبت میں تھا۔ اس کی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے دوست کی مدد کرے یا اپنے لیے گاڑی خریدے؟ اس کا دل گاڑی خریدنے کے لیے بھی بے چین تھا۔ اسی پریشانی میں وہ اپنے کمرے گیا۔ دراز کھول کر اُس میں سے غلک نکالا۔ احمد نے پیسے گنے تو وہ گاڑی کے لیے پورے ہو چکے تھے۔ اس کا دل گاڑی کے لیے بہت للچا رہا تھا۔ ایک لمحے کے لیے اس کے دل میں یہ خیال بھی آیا کہ فوراً بازار جائے اور اپنی پسندیدہ گاڑی خرید کر لے آئے، مگر اُس کا دل اس پر مطمئن نہیں ہو پا رہا تھا۔ اس کی نگاہوں میں اس کے دوست افنان کی صورت چھائی ہوئی تھی، جو بیمار تھا اور اُس کے علاج کے لیے اس کے والدین کے پاس پیسے نہیں تھے۔ دوسری طرف اس کی پسندیدہ گاڑی بھی دماغ میں گھوم رہی تھی جسے وہ خریدنا چاہتا تھا۔

بہت سوچ بچار کے بعد بھی احمد کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تو وہ اپنی امی کے پاس چلا گیا اور اُنھیں ساری بات بتا دی۔ امی نے احمد کی بات سن کر کہا:

''احمد بیٹا! کیا آپ کو پتا ہے، ہمارے پیارے نبی ﷺ نے فرمایا ہے: 'جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے تب تک اللہ اس کی مدد میں لگے رہتے ہیں۔'' (مسلم شریف)

''امی جان! پھر تو میں اپنے بھائی کی مدد ضرور کروں گا، تا کہ اللہ تعالیٰ میری مدد کریں۔''

احمد نے معصومیت سے جواب دیا۔ امی کی بات سن کر اَحمد کو اِطمینان ہو گیا۔ اس نے پیسے لفافے میں ڈالے اور اَفنان کے گھر کی طرف دوڑ

لگادی۔ احمد کو دوبارہ آتا دیکھ کر افنان کے ابو امی حیران ہوئے۔ احمد نے ادب سے سلام کرتے ہوئے لفافہ ان کے ہاتھ میں تھما دیا اور اَفنان کی صحت کے لیے دعا کر کے واپس رخصت ہو گیا۔

اگلے دن چھٹی تھی۔ احمد کو اَمی نے بتایا تھا کہ بیماری میں مسلمان بھائی کی تیمارداری کرنا اس کا حق ہے، اس لیے احمد نے چھٹی کا تقریباً پورا دن اپنے دوست کی تیمارداری میں گزارا۔ ڈاکٹر صاحب نے افنان کو انجکشن لگا کر دوائیں دے دی تھیں۔ انھیں کھانے سے اب افنان کی صحت بہتر ہو رہی تھی۔ شام ہو گئی تو احمد اِجازت کر اپنے گھر آ گیا۔

دوسرے دن صبح احمد اسکول چلا گیا۔ وہ کافی خوش تھا کہ اب اس کے دوست کی صحت ٹھیک ہو رہی ہے۔ وہ شدت سے چھٹی کا انتظار کرتا رہا، تا کہ اپنے دوست کے پاس جا کر اُس کی خیریت پوچھے۔ بالآخر چھٹی ہوئی اور وہ افنان کے گھر پہنچ گیا۔

دروازہ افنان نے خود نے کھولا، اس کا چہرہ کھلکھلا رہا تھا۔ اپنے دوست کو صحت مند دیکھ کر احمد نے اللہ کا شکر ادا کیا اور خوشی کے مارے افنان کو گلے لگا لیا۔

افنان سے باتیں کر کے وہ اپنے گھر آ گیا۔

احمد اپنے گھر پہنچا تو وہاں تھوڑی چہل پہل نظر آئی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آیا۔ وہ جلدی سے گھر میں داخل ہوا تو خوشی کے مارے اس کی چیخ نکل گئی۔ اس کے پیارے چاچو دوسرے شہر سے ملنے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ احمد اُنھیں دیکھ کر خوشی کے مارے جھوم اٹھا اور چھلانگ مار کر اُن سے چمٹ گیا۔ چاچو کے ہاتھ میں ایک بڑا سا ڈبا تھا۔ چاچو نے وہ ڈبا احمد کو دِیا اور کہا:

''میں اپنے شہزادے کے لیے ایک تحفہ لایا ہوں۔''

احمد نے جلدی سے ڈبا کھولا تو مارے حیرت کے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اسے اس کی مدد کا بدلہ مل چکا ہے۔ ڈبے میں اس کی پسندیدہ گاڑی موجود تھی۔ اس نے چاچو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

''چاچو ہمارے پیارے نبی ﷺ نے بالکل سچ فرمایا ہے۔ میں نے اپنے دوست کی مدد کی تھی، اللہ تعالیٰ نے میری مدد کی اور مجھے یہ گاڑی دلوا دی ہے۔''

''جی بیٹا! تم نے پیارے نبی ﷺ کی حدیث پر عمل کیا تو اللہ میاں نے تمھارے دوست کو بھی ٹھیک کر دیا ہے اور تمھیں بھی تمھاری پسندیدہ چیز مل گئی ہے۔'' چاچو نے اسے پیار سے سمجھایا۔

''میں تو اَب ہمیشہ دوسروں کی مدد کیا کروں گا، تا کہ اللہ میاں میری مدد کریں۔'' احمد نے عزم کیا تو چاچا نے اسے پیار سے تھپکی دی۔

بقیہ: کتے

نظر اَنداز کیے رکھتی ہے تو جی دکھ جاتا ہے۔ ہماری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کتے ان کی نگاہ میں حسن کا پیکر کیسے ہیں!؟ نہ تو اُن کا منہ تتلی جیسا ہے، نہ وہ ہرن کی طرح خوب رُو ہیں، پھر یہ انداز دِیوانگی کیا ہے مغربی دنیا کا؟ رہ گئے ہم مسلمان! ہم تو کتوں کا، کتوں سا حشر کرتے ہیں! کتا مار مہم چلاتے ہیں! پاگل کتوں کے علاوہ صحیح الدماغ کتوں سے بھی عوام الناس کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں، یعنی کتوں کو کتوں کی موت ہی مارتے ہیں۔

اہلِ مغرب تو مرتے ہوئے کتوں کو شاید وینٹی لیٹر پہ رکھتے ہوں گے کہ وہ کسی نہ کسی طرح بچ جائیں! ہم کم از کم کتوں کے معاملے میں انھیں ہرگز اپنا راہبر نہیں بنا سکتے۔ اگرچہ لباس اور تہذیب و ثقافت میں اپنی شناخت ختم کر کے ہم نے کتوں والی قوم کے انداز اختیار کر لیے ہیں، مگر اَبھی بہت کم لوگ ایسے ہیں جو کتا پرستی میں بھی ان (اہلِ مغرب) کی مثال آپ بن گئے ہیں اور ایسے لوگوں سے بھی فی الحال لوگ گھن کھاتے ہیں، کیوں کہ کتا بے حیا، جراثیم زدہ اور اِنتہائی غلیظ جانور ہے۔ اس کی غلاظت اور نقصان دہ ہونے کو نہلا کر اور خوش بُو لگا کر ختم نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارا مشورہ ان کے لیے یہی ہے کہ اپنے بچوں کو کم از کم کتے کے برابر سمجھیں اور اپنی اولاد کو بھی حقوق دیا کریں۔ اس طرح امید ہے کہ وہ کم از کم کتے جتنی وفاداری ضرور دِکھا دیں گے؟

عین ممکن ہے کہ اس طرح کرنے سے انھیں اولڈ ہاؤس میں پھینکنے کے وقت وہ بچے اپنا دل ذرا سا تو ضرور ہی دکھا لیں گے۔ کتے کو پیار سے پرورش کیا جائے تو اُس کا موذی پن کیا کچھ کم ہو سکتا ہے اور کتنا ہو سکتا ہے؟

اس کی وضاحت تو ماہرِ حیوانات ہی کر سکتے ہیں، لیکن ہم اس حد تک ضرور ماہر سماجیات ہیں، یعنی ماہر سماجی جانوراں ہیں کہ بچوں کو بھی وہاں کی مائیں ذرا سا وقت دیں تو وہ بھی کتوں سے بہتر نہ سہی، کتوں جتنا نتیجہ خیز ضرور ثابت ہو سکتے ہیں اور جو قوم اپنی بدتہذیبی اور بُری ثقافت میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہو کر کتوں سے بدتر ہو چکی ہے، امید ہے کہ وہ کتوں کے جیسی ضرور نظر آنے لگے گی۔ ان کے لوگ بھی کتوں سے کم موذی ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت اور عقلِ سلیم عطا فرمائے۔ آمین!

تجدیدِ عہد

حافظ محمد آریز۔ البدر اسکول، کراچی

۲۳، مارچ ۱۹۴۰ء وہ تاریخی دن ہے جب آل انڈیا مسلم لیگ نے برصغیر میں مسلمانوں کے لیے ایک الگ وطن کی تحریک شروع کی، جس کی بدولت سات سال کی اَن تھک محنت کے بعد ہمیں پاکستان کی صورت میں ایک عظیم اسلامی ریاست ملی۔ اس قرارداد کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے لیے ایک علاحدہ وطن حاصل کیا جائے، جہاں وہ آزادی کے ساتھ اپنی عبادات اور مذہبی معاملات ادا کرسکیں اور اُس میں اسلام کے قوانین نافذ کیے جاسکیں۔

مولوی فضل الحق کی جانب سے پیش کی جانے والی یہ قرارداد، لاہور شہر میں واقع اقبال پارک (سابقہ منٹو پارک) میں ہونے والے ایک عظیم الشان جلسے میں منظور کی گئی۔

اس قرارداد کے بعد مسلمانوں میں ایک جوش پیدا ہوا اور مسلمانوں نے ایک آزاد مسلم ریاست کے لیے جدوجہد شروع کردی، ایک ایسی ریاست جہاں انصاف ہو، ایک ایسا وطن جہاں اسلام کا بول بالا ہو۔

کہنے کو تو یہ منہ سے نکلے چند الفاظ تھے جو کاغذ کے ایک ٹکڑے پر لکھ دیے گئے تھے، لیکن جب کچھ الفاظ آپ کے جذبے کی نمائندگی کریں تو اِنسان خود ہی ان الفاظ کو حقیقت میں بدلنے کے لیے ہر حد تک جانے پر راضی ہوجاتا ہے۔

۲۳، مارچ ۱۹۴۰ء کو تمام مسلمانوں نے یک زباں ہوکر عہد کیا تھا کہ ایک آزاد مسلم ریاست حاصل کرکے ہی دم لیں گے، پھر سات برس کی انتھک کوششوں اور لازوال قربانیوں کے بعد اس عظیم ملک کا حصول ممکن ہوا۔ اگر ہمارے آباء واجداد یہ قربانیاں نہ دیتے تو شاید آج بھی ہمارے گلوں میں انسانوں کی غلامی کا طوق ہوتا اور ہمارے پیروں میں بیڑیاں پڑی ہوتیں۔

۲۳، مارچ کا دن اسی عہد کی تجدید کا دن ہے۔ اس عہد کو ہمارے آباء واجداد نے بے شمار قربانیاں دے کر وفا کیا اور اَب یہ ہماری ذمے داری ہے کہ ان کی دی ہوئی قربانیوں کو رائیگاں نہ جانے دیں۔

۸۱ برس پہلے کی طرح یک زبان ہوکر اِس ۲۳، مارچ کو اِس بات کا عہد کریں کہ اس ملک پاکستان کو اُسی رُخ پر موڑیں گے جس کا عہد آج سے ۸۱ برس پہلے کیا گیا تھا، ایک عظیم اسلامی ریاست کا عہد جس میں انصاف ہو، اسلامی نظام کا نفاذ ہو، مذہبی آزادی ہو اور لوگوں کو اُن کے حقوق ملیں، ایک ایسی مملکت جس کا خواب ہمارے اسلاف نے دیکھا تھا۔

عزیز قارئین! اس ملکِ پاکستان کا مستقبل ہم نوجوانوں کے ہاتھوں میں ہے۔ اگر اِسے ترقی یافتہ ممالک کی فہرست میں لانا ہے تو علم کو اپنا ہتھیار اور تعلیمات محمدیہ ﷺ کو اپنا منشور بنانا ہوگا۔ انھی اصولوں پر عمل پیرا ہوکر ہی ہم اس ملک کو اس جیسا بنا سکتے ہیں جس کے لیے ہمارے اجداد نے قربانیاں دیں اور اپنی قیمتی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اس مقصد میں ثابت قدم رکھے اور ہمارے وطنِ عزیز کو تا قیامت شاد و آباد رکھے۔ آمین!

جنوری کا شمارہ زبردست تھا۔ ''علیک سلیک'' میں اچھا پیغام تھا۔ ''سیرت کہانی'' اچھی جا رہی ہے۔ ''بلاعنوان'' کہانی بھی اچھی تھی۔ نظمیں ساری بہترین ہیں۔ باقی شمارہ بھی زبردست تھا۔

(عزیز اسلام۔کراچی)

جنوری کا شمارہ لاجواب تھا۔

(اشتیاق غیاث۔کراچی)

اس دفعہ ساری نظمیں، اچھی رہیں۔ کہانیاں بہتر تھیں۔ تاریخی واقعات اور ''سیرت کہانی'' بہترین تھیں۔ (راشد درانی۔کراچی)

نئے عیسوی سال کا شمارہ پڑھا۔ ماشاءاللہ! رسالہ ہر لحاظ سے بہترین تھا۔

(طلحہ منیر۔کراچی)

شمارۂ جنوری ۲۰۲۱ء کی بہترین تحریروں میں سے ''سیرت کہانی'' تھی۔

(محمد صالح۔کراچی)

جنوری کے شمارے کا سرورق اچھا تھا۔ اس شمارے کی سب سے بہترین کہانی ''بلاعنوان'' تھی۔ ''ذوقِ معلومات'' کو دیکھ کر سر گھومنے لگ جاتا ہے۔ ''سیرت کہانی'' بھی اچھی چل رہی ہے۔ غرض ہمیشہ کی طرح ہر تحریر شان دار تھی۔

(محمد اشفاق ریاض۔کراچی)

بہت اچھی معلومات فراہم کرتے ہیں۔ ''شکر پارے'' بھی عمدہ تھے۔ ''ذوق و شوق'' کی ہر کہانی میں کوئی نہ کوئی سبق ضرور چھپا ہوتا ہے۔

(فرحان اسحٰق۔کراچی)

جنوری کا سرورق بہت اچھا تھا۔ ''بلاعنوان'' بہت اچھی لگی۔ ''شکر پارے'' لاجواب تھے۔ ہر کہانی عمدہ تھی۔ ''جھوٹوں کے جھوٹے'' سلسلہ بہت اچھا چل رہا ہے۔

(حارث یاسین۔کراچی)

اس مہینے کا ''ذوق وشوق'' اچھا تھا۔ سب سے پہلے ''علیک سلیک'' پڑھی۔ مدیر صاحب کی باتیں دل میں سرایت کر گئیں۔

(زینب شاکر۔سکھر)

اس ماہ کا ''ذوق وشوق'' نہایت عمدہ تھا۔ ساری کہانیاں بہت اچھی تھیں۔

(محمد حسیب فرید۔کراچی)

جنوری کا شمارہ بہت شان دار تھا۔ ''سیرت کہانی'' پڑھ کر آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ (شاذ خان۔کراچی)

''علیک سلیک'' نے کافی کچھ سمجھا دیا۔ باقی شمارہ بھی بہت پسند آیا۔

(محمد احمد فاروقی۔کراچی)

خط جو آپ کا ملا

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس شمارے میں تمام کہانیاں، نظمیں اور ''شکر پارے'' بہت دل چسپ تھے۔

(طیبہ۔کراچی)

اس مہینے کے ''ذوق وشوق'' میں سب سے پہلے ''علیک سلیک'' پڑھی، پھر ''سیرت کہانی'' پڑھی، پھر ''بلاعنوان'' پر آئے۔ باقی تمام شمارہ بھی لاجواب تھا۔

(آمنہ عبدالرزاق۔کراچی)

شمارے میں ''سیرت کہانی''، اور ''جھوٹوں کے جھوٹے''، یہ سلسلے بہت اچھے چل رہے ہیں۔ سبزیوں کے بارے میں سعد علی چھیپا

جنوری کا شمارہ دیکھا۔ ماشاء اللہ! پورا ہی شمارہ بہت خوب تھا۔ ''بلاعنوان''، ''سیرت کہانی''، اور ''جھوٹوں کے جھوٹے'' بہت اچھے جا رہے ہیں۔ ماشاء اللہ! حسبِ معمول پورا شمارہ ہی بہت زبردست تھا۔

(محمد عمر معراج۔کراچی)

☜ میں نے جنوری کا رسالہ پڑھا۔ پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ اس رسالے میں ''شکر پارے'' بہت اچھے تھے۔ اس کے علاوہ تمام کہانیاں اور نظمیں بہت اچھی تھیں۔ ''پیغام الٰہی'' اور ''پیغام نبوی'' سے بھی اچھا سبق ملتا ہے۔ ''علیک سلیک'' بھی بہت اچھی تھی۔

(محمد حسان طارق۔ کراچی)

☜ جنوری کا شمارہ ہمیں بہت پسند آیا۔ ''سیرت کہانی'' اور دیگر مستقل سلسلے بہت اچھے تھے۔

(محمد راشد حسین۔ کراچی)

☜ نئے سال کا نیا شمارہ (جنوری ۲۰۲۰ء) اول تا آخر پڑھا۔ بہت مزہ آیا۔ تمام تحریریں جان دار اور شان دار تھیں۔ اس بار ''سوال آدھا، جواب آدھا'' والا سلسلہ ذرا مشکل سا لگا۔ دیگر سلسلے آسان تھے۔

بقیہ: انسان یا مسلمان؟

''ارے بس، وہ مجھے تھوڑی غلط فہمی ہوگئی تھی۔ تم اب اس بات کو بھول جاؤ اور اگر کہو تو میں سب کے سامنے تمھارے کان پکڑ کر بھی معافی مانگ لیتی ہوں۔'' وہ شرارت سے بولی۔

''اوہو، نہیں نہیں، اس کی ضرورت نہیں، بس تمھیں اپنی غلطی کا احساس ہوگیا، یہی کافی ہے۔'' میراث ہنستے ہوئے بولی۔

اس بات سے میراث کے دل میں مریم کا مقام اور بلند ہوگیا تھا۔

ابو غازی محمد۔ کراچی

یہ کُل پانچ اشارات ہیں۔ آپ ان کی مدد سے درست جواب تک پہنچنے کی کوشش کیجیے۔ اگر آپ ان اشارات کے ذریعے جواب تک پہنچ جائیں تو بُوجھا گیا جواب آخری صفحے پر موجود کوپن کے ساتھ ہمیں ارسال کر دیجیے اور اپنی معلومات کا انعام ہم سے پایئے۔ آپ کا جواب ۳۱، مارچ تک ہمیں پہنچ جانا چاہیے۔

یہ کیا ہے؟

۱ اس کھیل کی ابتدا 1891ء میں امریکا سے ہوئی۔ اس کھیل کے موجد کا نام ڈاکٹر ٹولز تھا۔

۲ اس کھیل میں دونوں ٹیمیں سات، سات کھلاڑیوں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ ہر کھلاڑی کی شرٹ پر اُس کی کھیلنے کی پوزیشن کا مخفف لکھا ہوتا ہے۔ ہر کھلاڑی اپنی مخصوص پوزیشن پر کھیلنے کا پابند ہوتا ہے۔

۳ کھیل شروع ہونے کے 15 منٹ بعد 5 منٹ کا وقفہ دیا جاتا ہے اور 30 منٹ بعد ہاف ٹائم ہوتا ہے۔ ہاف ٹائم 10 منٹ کا ہوتا ہے۔ (یعنی 15+15 منٹ کا کھیل اور 5+10 منٹ کا وقفہ) اس کے بعد ٹیموں کی سائیڈیں تبدیل کر دی جاتی ہیں اور کھیل دوبارہ شروع کیا جاتا ہے۔

۴ اس کھیل میں استعمال ہونے والی گیند کا قطر 8.7 انچ ہوتا ہے۔ اس کھیل کا میدان 100 فٹ لمبا اور 50 فٹ چوڑا ہوتا ہے۔

۵ ہر ٹیم کے لیے گول کرنے سے پہلے کم از کم دو کھلاڑی کو گیند پاس کرنا لازمی ہوتا ہے۔ اس کھیل میں کھلاڑی گیند حاصل کرنے کے بعد دوڑ نہیں سکتا، بل کہ اسی جگہ رہ کر اپنے پاؤں پر گھوم کر اَپنے ساتھی کھلاڑی کو گیند پاس کر سکتا ہے۔

پہاڑ پر آگ

انسپکٹر احمد عدنان طارق۔فیصل آباد

بہت سال پہلے کی بات ہے۔افریقہ کے ملک ایتھوپیا کے ایک دور دراز شہر میں ارحا نامی ایک نوجوان رہتا تھا۔ ارحا کے والدین غریب تھے۔ وہ ارحا کو گھر میں فارغ بیٹھا رہتے ہوئے نہیں کھلا سکتے تھے، لیکن ان کے گاؤں میں مزدوری کرنے کے لیے کام بھی نہیں ملتا تھا، لہٰذا تنگ آ کر ارحا نے ایک دن ضروری سامان لیا اور قسمت آزمانے کے لیے ایتھوپیا کے دارالخلافہ کا رُخ کیا۔ جلد ہی اسے ہمپٹن ہیسی کے گھر نوکری مل گئی، جو ایک بااثر شخص تھا۔ وہ اگرچہ بہت امیر تھا، لیکن پھر بھی مطمئن نہیں تھا۔ دولت سے ساری خوشیاں نہیں خریدی جا سکتیں، اس لیے ہمپٹن بھی بے زار رہا کرتا تھا۔ وہ افتادِ طبع کے لیے کھیل تماشا چاہتا تھا، چاہے اس کی خوشی کے لیے دوسروں کو اذیت ہی کیوں نہ ہو۔

سردیوں کی ایک رات، جب پہاڑوں کی طرف سے خون جما دینے والی تیز ہوائیں چل رہی تھیں، ہمپٹن نے ارحا کو حکم دیا کہ وہ آگ جلانے کے لیے لکڑی لے کر آئے اور پھر جب آگ اپنی پوری تمازت سے جل رہی تھی، ہمپٹن نے ارحا سے پوچھا:

''ارحا! میں جاننا چاہتا ہوں کہ انسان مرنے سے پہلے آخر کتنی سردی برداشت کر سکتا ہے؟ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ دور پہاڑ انٹوٹو کی چوٹی پر کوئی موٹے کپڑوں وغیرہ کے بغیر ساری رات گزارے اور زندہ رہ جائے؟''

ارحا نے پوچھا:

''کیا آگ کے بغیر؟''

ہمپٹن نے کہا:

''ہاں، بالکل۔''

ارحا سر جھکا کر بولا:

''مالک! میں نہیں جانتا، لیکن مجھے لگتا ہے کہ ایسا کرنا خودکشی ہی ہوگا۔''

ہمپٹن بولا:

''اگر کوئی یہ کام صرف تجربے کے لیے کرے تو پھر واقعی یہ بہت بڑی بے وقوفی ہوگی، لیکن اگر اِس کارنامے کا اسے انعام ملے!؟ اگر کوئی شخص یہ کام کرنے کے لیے تیار ہو اور وہ اسے کر لے تو میں اسے بڑا انعام دوں گا۔''

ارحا کہنے لگا:

''جو ایسی ہمت دکھائے گا وہ شخص بہت بہادر ہوگا۔''

ہمپٹن اسے طعنہ دیتے ہوئے بولا:

''تم ایسا نہیں کر سکتے، کیوں کہ تم ایک بزدل شخص لگتے ہو۔''

ارحا کو اُس کی بات بہت بُری لگی، لیکن وہ اپنے غصے پر قابو پا کر بولا:

''میں بزدل انسان نہیں ہوں۔''

ہمپٹن کہنے لگا:

''پھر میں تمھیں چیلنج کرتا ہوں۔ اگر تم نے پوری رات موٹے کپڑوں، آگ یا کسی دوسری چیز کی مدد کے بغیر انٹوٹو پہاڑ کی چوٹی پر گزار لی اور تم صبح تک زندہ رہے تو سوچو میں تمھیں کیا انعام دوں گا؟ میں تمھیں کاشت کے لیے دس ایکٹر زمین دوں گا۔ ایک گھر اور مال مویشی بھی دوں گا۔''

ارحا بہت ہمت والا نوجوان تھا۔ اس کی آنکھوں کے آگے اس کے غریب والدین کی تصویر آنے لگی۔ بالآخر اُن کی مدد کرنے کا ایک موقع اسے مل رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ اگر وہ یہ شرط جیت لیتا ہے تو وہ بڑھاپے میں ان کا سہارا بن سکے گا۔ وہ بولا:

''میں اس شرط کو پورا کرنے کے لیے تیار ہوں۔''

لیکن ہمپٹن اس بات کو یقینی بنانا چاہتا

تھا کہ کہیں ارحا اس کے ساتھ دھوکا نہ کرے۔ اس نے کہا:

''میں اپنے اعتماد والے دو ملازم تمھارے ساتھ بھیجوں گا۔ وہ دیکھیں گے کہ رات کو انٹوٹو پہاڑ کی چوٹی پر کیا ہوتا ہے؟ اور وہ صبح مجھے ساری تفصیل بتائیں گے۔''

ارحا بولا:

''مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔''

اس رات ارحا سے سویا نہیں گیا۔ وہ صبح سویرے اٹھا اور شہر سے باہر ایک گاؤں میں گیا، جہاں اس کے اپنے قبیلے کا ایک بہت عقل مند شخص رہتا تھا۔ اس نے عقل مند شخص کو سارا قصہ سنایا اور کہنے لگا:

''تم میرے ماں باپ کو اچھی طرح جانتے ہو۔ میں تمھارے پاس آیا ہوں، تاکہ تم مجھے کوئی گُر بتاؤ۔''

عقل مند شخص نے بہت غور سے اس کی بات سنتا رہا۔

ارحا کہنے لگا:

''اگر میں یہ شرط قبول نہ کرتا تو میرا مالک مجھے بزدل سمجھتا، لیکن اگر میں شرط پوری کرنے کی کوشش کرتا ہوں تو میرے بچنے کی کوئی امید نہیں ہے۔ اب آپ ہی بتائیں کہ میں کیا کروں؟''

بوڑھے عقل مند شخص نے اس سے پوچھا:

''مجھے سچ سچ بتاؤ کہ یہ کام تم اپنی بہادری ثابت کرنے کے لیے کررہے ہو یا اپنے بوڑھے ماں باپ کی مدد کے لیے؟''

ارحا بولا:

''سچی بات یہ ہے کہ میں اپنے والدین کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔''

بوڑھا بولا:

''تب میں تمھاری مدد کروں گا۔ اب غور سے سنو اور وہی کرنا جو میں کہہ رہا ہوں۔ جب تم انٹوٹو پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ جاؤ تو وادی پر نظر دوڑانا، تمھیں بالکل سامنے ایک اور چوٹی نظر آئے گی۔ میں سورج غروب ہونے سے پہلے وہاں پہنچ جاؤں گا۔ تم مجھے نہیں دیکھ سکو گے، کیوں کہ میں تم سے بہت دور ہوں گا، لیکن تم اس آگ کو جلتا ہوا ضرور دیکھ سکو گے جو میں وہاں جلاؤں گا۔ جب تمھاری شرط کا وقت شروع ہو جائے تو مسلسل اس آگ کی طرف دیکھتے رہنا۔ ایک لمحے کے لیے بھی آگ سے نظریں نہ ہٹانا۔ اگر تم نے میری ہدایات پر من وعن عمل کیا تو تمھیں ڈرنے کی قطعی ضرورت نہیں۔''

ارحا نے وعدہ کیا کہ وہ ویسے ہی کرے گا جیسے بوڑھے شخص نے اسے ہدایت کی ہے۔ پھر وہ ہمپٹن کے پاس گیا اور اُسے بتایا کہ وہ آج رات ہی یہ شرط پوری کرے گا۔ ارحا کا اعتماد دیکھ ہمپٹن حیران تھا، لیکن اس نے کوئی سوال نہیں کیا۔ اس نے دو قابل اعتماد آدمیوں کو چنا اور پھر یہ تینوں پہاڑ کی طرف چل دیے۔ رات ہونے سے کچھ پہلے وہ چوٹی پر پہنچ گئے۔ ارحا نے دوسری چوٹی کی طرف دیکھا تو دور اُسے جلتی ہوئی آگ نظر آ گئی۔ اسے یہ محسوس کر کے کہ اس کا دوست دوسری چوٹی پر موجود ہے، کافی حوصلہ ملا۔

رات تک اس کے ساتھیوں نے پتھر اکٹھے کر کے اپنے لیے ایک پناہ گاہ بنالی تھی۔ اگرچہ اب وہ اس پتھروں سے بنی پناہ گاہ میں موجود تھے اور اُنھوں نے کافی گرم کپڑے بھی پہن رکھے تھے، لیکن یخ بستہ ہوا اُن کی ریڑھ کی ہڈیوں تک پہنچ رہی تھی۔

ادھر اَرحا معمولی کپڑوں کے ساتھ چوٹی پر موجود تھا۔ جس چوٹی کے اوپر وہ موجود تھا وہ اتنی ٹھنڈی تھی جتنا کوئی برفانی پہاڑ، لیکن وہ پلکیں جھپکے بغیر اُس جلتی آگ کو دیکھتا رہا جو کافی دور جل رہی تھی۔ اس کا جسم جم رہا تھا۔ اس کے دونوں ساتھی حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے اور اُس کی ہمت کی داد دے رہے تھے۔ آخر خدا خدا کر کے سورج طلوع ہوا اور اُس کی کرنوں کی حدت چوٹی تک پہنچی۔ ارحا ادھ موا ہو چکا تھا۔ اس کے دونوں ساتھیوں نے اس پر ترس کھا کر اُس کے تلوے سہلائے تو خون اس کی رگوں میں دوبارہ دوڑنے لگا۔ کچھ دیر بعد وہ تینوں چوٹی سے اتر آئے۔ اب وہ گھر میں تھے۔ ہمپٹن نے جب ارحا کو دیکھا تو اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ اسے یقین تھا کہ ارحا مر جائے گا۔ ہمپٹن نے ساتھ بھیجے ہوئے دونوں شخصوں سے حال پوچھا تو اُنھوں نے بتایا کہ ارحا نے ساری رات شرط کے قوانین کے عین مطابق گزاری ہے۔ ہمپٹن نے تب ارحا سے پوچھا:

''کیا تم واقعی اتنے طاقت ور شخص ہو یا اس طاقت کے پیچھے کوئی خفیہ راز ہے؟''

ارحا بولا:

''میری طاقت کے پیچھے کوئی خفیہ راز نہیں ہے، بل کہ میرا جگری یار ہے۔ اس کی دوستی ہی میری ہمت کا ذریعہ بنی ہے۔ کافی دور اُس کی جلائی گئی آگ رات بھر دوسری چوٹی پر جلتی رہی، جس سے مجھے طاقت ملتی رہی۔''

ارحا کی یہ بات سن کر ہمپٹن دھاڑا:

''تم آگ جلا کر بیٹھے رہے ہو۔ تم نے مجھے دھوکا دیا ہے۔''

ارحابولا:
''نہیں، ایسانہیں ہے۔ میں نے آگ نہیں تاپی۔ ہاں میں کافی دور سے اُسے دیکھتاضرور رہاہوں۔''
ہمپٹن غصے سے بولا:
''پھرتوتم شرط پوری کرنے میں کام یاب نہیں ہوئے۔ تمھیں کوئی انعام نہیں مل سکتا۔''
ارحاگڑگڑاتاہوابولا:
''لیکن آگ تواتنی دورتھی کہ میں اسے سینک نہیں سکتا تھا۔''
ہمپٹن نے اس کی بات پر کان نہیں دھرا۔ وہ بولا:
''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آگ نزدیک تھی یادور،لیکن آگ موجود تھی۔ تم شرط پوری کرنے میں ناکام ہوئے ہو۔''
ارحانے دیکھا کہ ہمپٹن سے بحث کرنا فضول ہے۔ وہ صریحاً بے انصافی کررہا تھا۔ ارحا بہت مایوس بھی تھا اور سخت غصے میں بھی۔ اگلے دن وہ اپنے بوڑھے دوست کے پاس گیااور اُسے ساراماجرہ سنایا۔ دوست نے کہا:
''اس مسئلے کو قاضی کی عدالت میں لے جاؤ۔''
ارحانے ایسا ہی کیااور قاضی کی عدالت میں ہمپٹن کی بے انصافی کے بارے میں شکایت کی۔ قاضی نے ارحا کی پوری بات سنی اور ہمپٹن اور اُس کے دونوں ساتھیوں کوبلوالیا۔ قاضی نے ان کی بات بھی تسلی سے سنی اور پھراپنافیصلہ سنایا۔
''ارحا!تم نے شرط پوری نہیں کی،اس لیے تمھیں اس کا معاوضہ نہیں مل سکتا۔''
ارحاکوفیصلہ قبول کرناپڑا،لیکن وہ ہرگز خوش نہیں تھا۔ وہ پھراُپنے دوست کے پاس گیااوراس سے کہنےلگا:
''میں ہی بےوقوف تھا۔ میں صرف اپنے ماں باپ کی مددکرناچاہتا تھا۔ اب مجھے خالی ہاتھ ان کے پاس جاناہوگا۔''
بوڑھے دوست نے اس کی ہمت بندھاتے ہوئے کہا:
''اتنی جلدی حوصلہ نہیں ہارناچاہیے۔ انصاف صرف ہمپٹن سے شروع ہوکر اُسی پرختم نہیں ہوجاتا۔ اگر وہ لوگوں کے ساتھ بےانصافی پر ہی تلاہواہے تو میں اسے ایساسبق سکھاؤں گا کہ وہ ہمیشہ یادرکھےگا۔ حقیقت،حقیقت ہی ہوتی ہے۔ اب تم یہ معاملہ مجھ پر چھوڑدو۔''
تین چاردن بعدقاضی،ہمپٹن اوراُس کے دونوں ساتھیوں کوضیافت کادعوت نامہ ملا،جوارحا کے بوڑھے دوست کی جانب سے تھا۔ ضیافت والے دن مہمان بوڑھے کے ہاں آنے شروع ہوگئے۔ کچھ گھوڑوں کی پشت پر سوار تھے اور کچھ بگھیوں پر۔ ہمپٹن ایک قافلے کی صورت میں پہنچا۔ اس کے سر پرایک ملازم چھتری سے سایہ کیے ہواتھا۔ بوڑھے دوست نے مہمانوں کو کھلے دل سے خوش آمدید کہااوراُنھیں بٹھایا۔ سب کھانے کاانتظار کررہے تھے۔
کافی دیر ہوگئی تھی، باورچی خانے سے مزے مزے کے کھانوں کی مہک مسلسل ان کے نتھنوں میں آرہی تھی،مہمانوں کے منہ میں مسلسل پانی آرہا تھا، لیکن کھانا تھا کہ آنے کانام نہیں لے رہاتھا۔ ایک گھنٹاگزرا، پھردوسرا بھی،لیکن کھانامہمانوں تک نہیں پہنچا۔ آخرقاضی سے رہانہیں گیا،وہ بولا:
میرےمہربان! آخرتم ہمارےساتھ ایساسلوک کیوں کررہےہو؟تم نےہمیں کھانے پرخودہی بلایاہےاورہم نےتمھاری دعوت قبول کی ہے۔ اب ہم کھانے کی خوش بوتوسونگھ رہےہیں،لیکن کھانانہیں آرہا،کیاتم ہم سےکوئی کھیل کھیل رہےہو؟''
بوڑھاشخص بولا:''ہرگزنہیں!یہ کسی قسم کاکھیل نہیں ہے۔ میں نے اپناوعدہ پورا کیاہے۔ کیاآپ کوکھانے کی خوش بونہیں آرہی ہے؟''
قاضی بولا:
''ضرورآرہی ہے،لیکن خوش بوسےبھی کبھی پیٹ بھراہے۔ انسان کھانے سے بھوک مٹاتاہے،اس کی خوش بوسےنہیں۔''
''کھانے کی خوش بومیں کوئی غذائیت نہیں ہوتی۔''ہمپٹن بھی بولا۔
''آپ صحیح کہہ رہے ہیں،خوش بوکتنی بھی اچھی ہوبھوک نہیں مٹتی۔''بوڑھاشخص بولا۔''توپھرکافی دورجلنےوالی آگ بھی آپ کوگرمی نہیں پہنچاسکتی۔ اگرارحاکوکوسوں دورجلنےوالی آگ سےگرمی پہنچ سکتی ہےتوآپ کاپیٹ بھی کھانے کی خوش بوسے بھرجاناچاہیے،جوقریب ہی باورچی خانے سےآرہی ہے۔''
قاضی نے بوڑھے کے چہرے کوغور سے دیکھااور پھرہمپٹن اورارحا کی طرف نظردوڑائی،پھروہ بوڑھے کی طرف مڑکرکہنےلگا:
''آپ صحیح کہتے ہیں۔ واقعی میں نے انصاف نہیں کیا۔ ارحا کو انعام ملنا چاہیے۔''
ہمپٹن قاضی کاکہاٹال نہیں سکتا تھا۔ اس نے اعلان کیاکہ وہ طےشدہ زمین، مکان اورمویشی ارحاکوانعام میں دےگا۔ سب مہمان اس اعلان سے بہت خوش ہوئے۔ اس اعلان کے ہوتے ہی کھانامہمانوں کے آگے رکھاجانے لگا۔
اگلے دن ہمپٹن نے اپناوعدہ پوراکیا۔ ارحانے اپنے ماں باپ کوبلالیااور ساری زندگی ان کی خدمت کرتارہا۔

KID'S

Collection shoes

New Arrivals
Now At Store

ذوق وشوق
میگزین ساتھ لانے
پر اسپیشل
10%
ڈسکاؤنٹ

اسکول شوز ہر سائز میں۔۔۔چھ ماہ کی گارنٹی کے ساتھ۔۔۔

Shop No. 9, Star Centre, Near Chawla Centre,
Main Tariq Road Karachi. Ph: 021-34315359

NEW OPENING
HAND BAGS
20% OFF

She shoes

Shoes for ladies and kids

New Arrivals
Now At Store

10% OFF
ON ALL DISPLAY ITEMS
LIMITED TIME OFFER

SCHOOL SHOES & PT SHOES
AVAILABLE ONLY 790/=

FANCY CLUTCH
& WALLET

ذوق وشوق
میگزین ساتھ لانے
پر اسپیشل
10%
ڈسکاؤنٹ

Shop No. 14-15, Lavish Mall, Opp. Rabi center,
Main Tariq Road, Karachi. Tel.: 0213-4547778, 0213-34327331

کوپن برائے
بلاعنوان ۱۶۳

نام: ________ ولدیت: ________

مکمل پتا: ________

فون نمبر: ________

کوپن برائے
ذوقِ معلومات ۶۲

نام: ________ ولدیت: ________

مکمل پتا: ________

فون نمبر: ________

سوال آدھا جواب آدھا ۱۸

نام: ________ ولدیت: ________

مکمل پتا: ________

فون نمبر: ________

کوپن برائے
قرآن کوئز ۷

نام: ________ ولدیت: ________

مکمل پتا: ________

فون نمبر: ________

مقابلۂ خوش خطی ۶

نام: ________ ولدیت: ________

مکمل پتا: ________

فون نمبر: ________

ہدایات: جوابات ۳۱ مارچ ۲۰۲۱ تک ہمیں موصول ہوجانے چاہییں ...... ☆ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا......

☆ کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا جس پر اعتراض قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ مقررہ تاریخ کے بعد موصول ہونے والے جوابات قرعہ اندازی میں شامل نہیں کیے جائیں گے۔

پیارے بچوں کے لیے
پیاری کتابیں
سچی دوستی
جنت کا دروازہ
چہکتی چڑیا
مسکراہٹ نگر
نئی کہانی نیا انداز
صرف ایک عمل
آؤ دوڑ لگائیں
سنت کہانی
مکتبہ بیت العلم
17 الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔
+92-321-4361131 ، +92-42-37112356
فدا منزل، نزد مقدس مسجد، اردو بازار کراچی۔
+92-312-3647578 ، +92-21-32726509
ای میل: mbikhi.pk@gmail.com ، ویب سائٹ: www.mbi.com.pk

سلسلۃ

تحفۃ الدعاء

دعا عظیم نعمت اور انمول تحفہ ہے، دعا اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس سے راز و نیاز کا ذریعہ ہے، دعا مایوسی میں امید کی کرن ہے، دعا کے ذریعے ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے تمام مسائل حل کرواسکتے ہیں، اس دنیا میں کوئی بھی انسان کسی بھی حال میں دعا سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔

اسی فکر کے پیشِ نظر "مکتبہ بیت العلم" نے تحفۃ الدعا سیریز کے نام سے ایک سلسلہ شروع کیا ہے۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ! اس سیریز کے چھ حصے شائع ہو چکے ہیں۔

MaktabaBaitulilm

بیتُ العِلم

Karachi Ph : 021-32726509
Lahore Ph : 042-37112356
www.mbi.com.pk